حیات ابوحنیفہؒ کے روشن عناوین

مفتی محمد قاسم اوجھاری

ناشــر:
اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

اشاعت کی عام اجازت ہے۔
البتہ طباعت سے قبل مرتب یا ناشر سے رابطہ فرمالیں۔

تفصیلات

نام کتاب: حیات ابوحنیفہ کے روشن عناوین
مرتب: محمد قاسم اوجھاری
صفحات: ۱۳۳
سن اشاعت: صفر المظفر ۱۴۴۱ھ اکتوبر ۲۰۱۹ء
ناشر: اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

Published By:
islamic Research & Publication's Center
Ujhari, District Amroha, UP, India (244242)

Email: Qasimujhari1@gmail.com Qasimujhari@yahoo.com
Mobile: 9719452901

فہرست مضامین

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

مقدمہ

بے نہایت حمد وسپاس اس ذات قدسی والا صفات کے لیے ہے جس نے مشت خاک کو جامۂ انسانیت پہنایا، پھر اس کے سر پر اشرفیت کا تاج رکھا؛ اور ایسی ہدایات نازل فرمائیں جن کی پیروی سے انسان رشک کروبیاں بنا، اور ایسے احکام نازل فرمائے جن کی بجا آوری میں سعادت دارین مضمر ہے۔ اور بے پایاں رحمتیں اور سلامتی نازل ہو ان تمام برگزیدہ ہستیوں پر جنھوں نے انسانوں کو سنوارنے اور ان کو راہِ راست پر لانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، خاص طور پر اس گروہ کے قافلہ سالار فخر موجوات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جنھوں نے ہر طرح سے انسانوں پر اتمام حجت کر دیا۔ اور سلامتی نازل ہو آپؐ کی آل واولاد، اصحاب اور آپ کے دین متین کے حاملین اور اساطین امت پر جنھوں نے کار نبوت کی ذمہ داری سنبھالی، دین کو صحیح شکل میں محفوظ رکھا اور اس کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا؛ خصوصاً ان حضرات پر جنھوں نے شریعت اسلامیہ کے تمام مسائل کو یکجا کیا، ان کو مرتب و مدلل کیا اور ان کی روشنی میں مزید احکام کی تخریج فرمائی؛ خاص طور پر اس قافلے کے سرخیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ پر، جن کو فقہ اسلامی کی تدوین وترتیب میں اولیت کا مقام حاصل ہوا۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں دین کی حفاظت وصیانت اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے رجال اللہ اور علمائے

ربانیین پیدا فرماتے ہیں، جو دین کی تجدید وحفاظت اور شریعت اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لیے غیر معمولی جدوجہد اور عظیم قربانیاں پیش کرتے ہیں، خدمت دین ہی ان کی زندگیوں کا اصل مقصد اور اہم مشن ہوتا ہے؛ ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں ایک نمایاں نام امام اعظم ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کا ہے، جنہیں اللہ تعالی نے خدمت دین، فقہ اسلامی کی تدوین واشاعت اور شریعت مطہرہ کی حفاظت وصیانت کے لئے منتخب فرمایا تھا؛ یہ بات امام صاحب سے صرف تعلق اور عقیدت کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی موجود ہے؛ کتب احادیث صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ میں روایت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، وَ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ہم سے نہیں ملے ہیں؟ آپؐ نے جواب میں سکوت فرمایا، پوچھنے والے نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ یہی سوال دوہرایا، آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر دست مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر ایمان ستاروں کے جھرمٹ اور آسمانی کہکشاں میں بھی ہوگا تو ان کے کچھ آدمی اسے ضرور پالیں گے۔ (صحیح بخاری رقم:۴۸۹۷، مسلم رقم: ۲۵۴۶، ترمذی: ۳۹۳۳، السنن الکبری للنسائی: ۸۲۲۰)

مذکورہ روایت کتب احادیث میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، بعض روایات میں ایمان کی جگہ دین اور علم کا لفظ آیا ہے، معجم کبیر طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابن حبان اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ایک شخص اس کو حاصل کرلیں گے۔ (صحیح

مسلم: ۲۵۴۶، مصنف ابن ابی شیبه: ۳۲۵۱۶، معجم کبیر طبرانی: ۱۰۴۷۰، صحیح ابن حبان: ۷۱۲۳)

مسند احمد، شعب الایمان اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ اگر علم ثریا کے پاس بھی ہوگا تو فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے۔ (شعب الایمان: ۴۹۴۵، ابن حبان: ۷۳۰۹، مسند احمد)

الغرض احادیث میں علم، ایمان اور دین تینوں لفظ وارد ہوئے ہیں، جمہور علماء نے ان احادیث کا مصداق ''امام ابوحنیفہ'' کو قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی صحیح بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں وارد حضورؐ کی ان احادیث مبارکہ کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث کے ذریعہ امام ابوحنیفہؒ کی بشارت دی ہے، جس کو ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے؛ اور یہ احادیث امام صاحب کی بشارت وفضیلت کے بارے میں ایسی صریح ہیں کہ ان پر مکمل اعتماد کیا جاتا ہے۔ (تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفه ۱۱)

شیخ محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں: امام جلال الدین سیوطی کے اس کلام میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی بھی علم میں امام صاحب کے مرتبے کو نہیں پہنچا۔ (عقود الجمان۔ حاشیہ تفسیر مظهری: ۸/۴۴۸)

علامہ ابن حجر ہیثمی اس سے اتفاق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: شیخ جلال الدین سیوطی کے بعض تلامذہ نے فرمایا اور جس پر ہمارے مشائخ نے بھی اعتماد کیا ہے کہ ان احادیث کی مراد بلا شبہ امام ابوحنیفہ ہیں، کیوں کہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی ان کے علمی مقام اور فقہی قدر ومنزلت کو نہیں پہنچا۔ (الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفة النعمان ۲۴)

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی امام جلال الدین سیوطی سے یہی نقل کیا ہے۔ ''السراج المنیر'' میں اکابر اہل علم اور ائمہ حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ **حمله بعض المحققين على أبي حنيفة**، بعض محققین نے اس روایت کو امام ابوحنیفہ پر محمول کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مذکورہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں، کیوں کہ اللہ تعالی نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں کرائی، اور اہل اسلام کی ان کے ذریعہ اصلاح فرمائی، بالخصوص اس آخری دور میں کہ دولت بس یہی مذہب ہے، سارے شہر میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی حنفی ہیں اور مدرسین حنفی ہیں۔ (کلمات طیبات: ۱۶۸)

الغرض ایک صدی قبل جو وحیٔ ربانی اترنی شروع ہوئی تھی اور تیئیس سال تک اترتی رہی، قرآن ناطق اور تاجدار کائنات نے جو احکام، مسائل، تشریحات، ضابطے اور تعبیرات ارشاد فرمائیں تھیں، ان کی روشنی میں مزید احکام ومسائل کی تخریج اور اصول وضوابط کی تعیین وتدوین کے لیے قدرت نے امام ابوحنیفہؒ کا انتخاب کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ ایک ہمہ گیر، ہمہ جہت اور عبقری شخصیت تھے، آپ کے بارے میں کچھ کہنا اور لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہے؛ مختصر یہ کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت کا زندہ معجزہ اور نبوت کا اعجازی کارنامہ تھے، آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں تھے کہ جسے صرف کتاب وسنت کا علم ہو، بلکہ قدرت نے آپ کو علمی کمالات کے ساتھ مجتہدانہ صفات، حفظ احادیث، فہم قرآن، تفقہ یعنی مبصرانہ فکر اور مجتہدانہ فیصلوں، عظیم فطری صلاحیتوں، سیاسی، اقتصادی، معاشی، عمرانی اور معاشرتی معاملات سے کماحقہ واقفیت وتجربات کی وافر دولت سے نوازا تھا، ساتھ ہی ورع وتقوی، خوف

وخشیت، عبادت وریاضت، حلم وبردباری، حق گوئی وبے باکی، سخاوت وفیاضی سے متصف کتاب وسنت کی جیتی جاگتی تصویر تھے، تمام اسلامی علوم میں مہارت کے ساتھ علوم تفسیر وحدیث، علم کلام اور فقہ وفتاوی میں آفتاب وماہتاب تھے، انتہائی ذہین وفطین تھے؛ عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ شہر کوفہ جیسے مرکز علم وثقافت کی جامع مسجد، جس میں رات کے وقت چراغ جلا کر روشنی کا اہتمام ہوتا تھا، مسجد کا خادم ایک دن حسب معمول صبح کے وقت چراغ جلا کر تہجد کی اذان دینے مسجد کے ہال میں داخل ہوا، دیکھا کہ ایک شخص خشیت وعبادت کی تمام تر کیفیات کے ساتھ مناجات میں مصروف ہے، اس نے سوچا کوئی مسافر ہوگا، اس لیے معمول کی بات سمجھتے ہوئے چراغ جلایا، چراغ کی روشنی میں اس کی نظر جب اس شخص کے چہرے پر پڑی تو ایک دم حیران رہ گیا، چراغ کی روشنی نے ایک راز فاش کر دیا تھا، گڑگڑا کر رونے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے والی یہ شخصیت شہر کی معزز ترین ہستی اور عالم اسلام کے مقتدا امام اعظم ابوحنیفہؒ تھے، یہ رات بھر مسجد میں تھے اور عشا کی نماز سے اب تک بلک بلک کر رو رہے تھے؛ یہ صرف ایک دن کی بات نہیں ہے، بلکہ سالہا سال کا یہ معمول تھا، اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں۔

فقہ اسلامی کی تدوین وترتیب آپ کا ایسا تجدیدی کارنامہ ہے، جو تا قیامت زندہ وتابندہ رہے گا، اس سلسلے میں پوری امت مسلمہ آپ کی رہین منت ہے؛ اللہ تعالی نے آپ کی علمی وفقہی خدمات کو وہ قبول عام عطا فرمایا کہ بہت ہی قلیل مدت میں فقہ حنفی نے دنیا کے کونے کونے تک رسائی اور مقبولیت حاصل کی، حتی کہ عباسی اور عثمانی حکومت میں فقہ حنفی کو سرکاری حیثیت دی گئی، اور عباسی دور سے لے کر آج تک عالم اسلام پر فقہ

حنفی سکۂ رائج الوقت کی طرح چھایا رہا ہے، خصوصاً کثیر مسلم آبادی والے ممالک ہند و پاک، بنگلہ دیش، افغانستان اور ترکی وغیرہ میں ہمیشہ فقہ حنفی کے متبعین کا غلبہ رہا ہے۔

علامہ علی طنطاوی فرماتے ہیں: آج حنفی مسلک دنیا میں سب سے زیادہ پھیلا ہوا مسلک ہے، اس کے فروعات واقوال کا دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے، عدالتی اجتہادات اور نئے قوانین بنانے کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہے، اور کثرت فروع میں حنفی مسلک کے بعد مالکی مسلک کا مقام ومرتبہ ہے؛ مجھے اس بات کا علم اس وقت ہوا جب میں چندسال ''پرسنل لابل'' تیار کرنے میں مشغول رہا۔ اور حنفی مسلک کو یہ مقام اس لیے حاصل ہے کہ حنفی مسلک عباسی اور عثمانی دور میں حکومتی مسلک رہا ہے، یہ مدت پوری اسلامی تاریخ کا تین ربع ہے، اور اس پوری مدت میں مالکی مسلک پر مراکش کے لوگ قائم رہے، جس کی وجہ سے ان دونوں مسلکوں میں فروعات اور بحثوں کی کثرت ہے؛ اور جہاں تک شافعی مسلک کا تعلق ہے تو وہ بہت کم عرصہ صرف ایوبیوں کے زمانے میں حکومتی مسلک رہا ہے، جبکہ حنبلی مسلک آج بھی نجد وحجاز تک ہی محدود ہے۔ اللہ تعالی چاروں ائمہ پر رحمت نازل فرمائے، ان سے پہلوں پر بھی اور ان کے بعد والوں پر بھی، اور بعد والے بھی ان سے کم نہیں ہیں، جیسے لیث، اوزاعی، سفیان اور حماد؛ اور اللہ تعالی امام ابوحنیفہ پر رحمت نازل فرمائے جو ان تمام میں سب سے مقدم ہیں اور ان کا مقام ومرتبہ بھی سب سے زیادہ ہے، اور جو واقعی امام اعظم کہلانے کے حق دار ہیں۔ (رجال من التاریخ)

مختصر یہ کہ جن منتخب برگزیدہ ہستیوں نے اپنے تابندہ نقوش کی وجہ سے پوری دنیا پر اثر ڈالا، ان میں ایک نمایاں نام امام ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کا ہے، آپ کی حیات وخدمات اور زندگی کے ہر پہلو اور ہر ہر گوشے پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان شاء

اللہ ہمیشہ لکھی جاتی رہیں گی، لیکن آپ کی زندگی کا مکمل حق ادا نہیں ہوسکتا؛ دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کی حیات وخدمات پر احناف سے زیادہ مالکی، شافعی، اور حنبلی علماء نے کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام ابوعبداللہ احمد بن علی صمیری (متوفی ۴۳۶ھ) قاضی ابوعمر یوسف بن عبد البر مالکی (۴۶۲ھ) حجۃ الاسلام امام غزالی (۵۰۵ھ) امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) امام نووی (۶۷۶ھ) علامہ مزی (۷۴۲ھ) امام شمس الدین ذہبی (۷۴۲ھ) مجد الدین فیروزآبادی (۸۱۷ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) علامہ یوسف بن عبد الہادی حنبلی (۹۰۹ھ) امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) حافظ محمد بن یوسف دمشقی (۹۴۲ھ) قاضی حسین بن محمد مالکی (۹۶۶ھ) حافظ ابن حجر ہیثمی (۹۷۳ھ) امام عبد الوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء کے نام شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب ''حیات ابوحنیفہ کے روشن عناوین'' امام صاحب کی زندگی کے چند اہم پہلوؤں کا سرسری جائزہ اور امام صاحب کی سیرت وشخصیت، حیات وخدمات اور اخلاق وعادات وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہے؛ ہر پہلو اور ہر عنوان کو باحوالہ پیش کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے، امام اعظم ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کو ہماری اور پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے، اللہ رب العالمین ہمیں صراطِ مستقیم، اتباع رسول اور اساطین امت کے منہج پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد قاسم اوجھاری

(پہلا باب)

امام ابوحنیفہ کا نام ونسب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اصل نام نعمان ہے، والد ماجد کا نام ثابت ہے، دادا کے نام میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے نعمان اور بعض نے زوطی بتایا ہے؛ نسلاً عجمی ہیں، آپ کے آباؤ اجداد فارسی النسل تھے؛ امام صاحب کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے کہ میرا نام اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے، ہم لوگ ابنائے فارس یعنی فارسی النسل ہیں، واللہ کبھی ہمارا خاندان غلام نہیں تھا؛ اس نسب نامے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دادا کا نام نعمان ہے، البتہ دوسرے پوتے عمر بن حماد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے دادا کا نام زوطی تھا، جو فارسی تھے، اہل کابل سے تھے؛ امام صاحب کے دونوں پوتے نسب نامہ بیان کرتے ہوئے دادا کے نام میں بظاہر مختلف اللسان ہیں، اول الذکر کے نزدیک دادا کا نام نعمان ہے اور دوسرے کے نزدیک زوطی ہے؛ حافظ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں متضاد روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے آپ کے دادا کے دو نام ہوں، زوطی اور نعمان۔ اسی طرح آپ کی نسل میں بھی قدرے اختلاف ہے، البتہ آپ کے فارسی الاصل ہونے کی روایت زیادہ مشہور اور قابل اعتماد ہے؛ خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' میں آپ کے بابلی ہونے کی بھی ایک روایت نقل کی ہے، وہ بسا اوقات لکھتے ہیں کہ ''بابلی نے یوں کہا''، اور اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو لیتے ہیں؛ بعض حنفیہ نے آپ کے عربی ہونے کا بھی دعوی کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے دادا زوطی بن یحیی بن زید

بن اسد تھے، اور بعض کے نزدیک ابن راشد انصاری کے قبیلے سے تھے، مگر یہ باتیں قابل مسترد ہیں، مشہور اور قابل اعتماد یہی ہے کہ آپ فارسی الاصل تھے اور وہاں کے ایک معزز گھرانے سے تعلق تھا؛ بنوتیم کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے آپ تیمی کہلاتے ہیں، آپ کا لقب امام اعظم ہے، ابوحنیفہ کنیت ہے اور ابوحنیفہ ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ (مقدمه اوجز المسالک:۱۷۵، الاعلام:۸/۳۶، البدایه و النهایه:۱۰/۱۰۷، تهذیب التهذیب:۸/۵۱۶، فضائل ابی حنفیه:۳۸، تاریخ بغداد)

ابوحنیفہ کنیت کس بنیاد پر ہے؟

مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابوحنیفہ کنیت کس بنیاد پر رکھی گئی؟ بعض حضرات نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ آپ نے دین حنیف کی جزئیات وفروعات امت کے سامنے پیش کیں، اس لئے آپ کی کنیت ابوحنیفہ رکھی گئی؛ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ لفظ ''حنیفہ'' عراقی زبان میں دوات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور آپ چونکہ مسلسل علمی مشغلے میں لگے رہتے تھے، اس وجہ سے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا؛ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ کی کسی بیٹی کا نام حنیفہ تھا، جس کی طرف آپ کی نسبت کی گئی ہے؛ لیکن اس قول کی تردید کی گئی ہے، کیوں کہ تاریخ میں آپ کی اولاد میں صرف ایک نرینہ اولاد حضرت حماد کا تذکرہ ملتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور اولاد کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ (مقدمہ اوجز المسالک:۱۷۶)

مولد ومسکن اور سن ولادت

خلافتِ بنوامیہ میں عبدالملک بن مروان کے دور میں ۸۰ھ میں کوفہ میں آپ کی

پیدائش ہوئی، کوفہ اس وقت علوم نبوت اور علم وتحقیق کا مرکز تھا، حضرات صحابہ کی بہت بڑی جماعت اس وقت کوفہ میں قیام پذیر تھی، حرمین شریفین کے بعد کوفہ سب سے بڑا علمی وروحانی مرکز تھا؛ بعض حضرات نے امام صاحب کے والد کی جائے سکونت ترمذ، بعض نے نسا اور بعض نے انبار بتائی ہے، ممکن ہے کہ وہ ان تمام شہروں میں سکونت اختیار کر چکے ہوں؛ بعض روایات کے مطابق ان کا آخری مقام انبار تھا، اسی لیے بعض حضرات نے امام صاحب کی جائے پیدائش انبار بتائی ہے؛ لیکن اکثر مؤرخین آپ کا مولد ''کوفہ'' بتاتے ہیں، گویا کوفہ امام صاحب کے والد کا آخری وطن تھا، اور کوفہ ہی کی طرف منسوب کرکے امام صاحب کوفی بھی کہلاتے ہیں۔

آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے، بعض حضرات نے ۶۱ھ اور بعض نے ۷۰ھ کہا ہے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے، اکثر مؤرخین ۸۰ھ پر ہی متفق ہیں؛ علامہ عبدالقادر قرشی، صاحب الجواہر المضیۃ اور علامہ علی قاری وغیرہ اکابر حنفیہ نے امام صاحب کی ۸۰ھ میں ولادت کو صحیح کہا ہے؛ امام ابونعیم، ابراہیم شیرازی، محمد بن طاہر قیسرانی، علامہ ابن الجوزی، امام ذہبی، ابن حجر مکی وغیرہ بھی ۸۰ھ کے ہی قائل ہیں؛ امام صاحب کے پوتے اسماعیل کا بیان ہے کہ میرے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، پردادا ثابت بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں گئے، حضرت علیؓ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر وبرکت کی دعا فرمائی تھی، ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت علیؓ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ (مقدمہ اوجز المسالک:۱۷۶، الاعلام:۸/۳۶، البدایہ والنہایہ:۱۰/۷۶، تہذیب التہذیب:۸/۵۱۶، فضائل ابی حنیفہ:۳۸)

ایام طفولیت اور ابتدائی تعلیم وتربیت

تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد ماجد ''ثابت'' عالم طفولیت میں حضرت علیؓ سے ملے تھے، اور آپ کے دادا نے عید نوروز کے دن حضرت علی کی خدمت میں فالودہ پیش کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان دولت وثروت سے بہرہ ور تھا، اور آپ کے والد علماء وصلحاء کے صحبت یافتہ تھے؛ اسی وجہ سے امام صاحب کی تربیت خالص دینی واسلامی ماحول میں ہوئی، آپ کی تعلیم وتربیت گاہ کوفہ شہر ہے، جو خود علوم نبوت اور علم وتحقیق کا مرکز تھا؛ بچپن میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور تجوید وقرأت کا علم حضرت امام عاصم کوفیؒ سے حاصل کیا، آپ کا گھرانہ چونکہ کوفہ کے مالدار تجارتی گھرانوں میں سے تھا، آپ کے یہاں کپڑوں کی تجارت ہوتی تھی، اس لیے ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کا زیادہ تر وقت تجارتی مشاغل میں گذرنے لگا؛ اسی دوران ایک دن آپ کی ملاقات محدث کبیر حضرت امام عامر شعبیؒ سے ہوئی، جن کو تقریباً پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا، انہوں نے آپ کے مشاغل پوچھے اور پھر نصیحت فرمائی کہ میں تمہارے اندر ہوشیاری اور بیدار مغزی دیکھ رہا ہوں، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم علم دین میں رسوخ حاصل کرو اور علمائے وقت کی مجالس میں حاضری دو؛ امام صاحب فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ کی یہ نصیحت میرے دل میں جاں گزیں ہوگئی اور میں نے بازار کی آمدورفت کم کر کے اپنے اوقات تحصیل علم میں لگانے شروع کردیے، جس سے اللہ نے مجھے بہت نفع پہنچایا۔ (المناقب للموفق: ۱/۵۴، ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ: ۲۲۔ عقود الجمان: ۱۶۰)

علوم وفنون کی تحصیل، علم فقہ کا انتخاب اور فقہ میں مہارت

امام صاحب نے امام شعبیؒ کی تحصیل علوم کی نصیحت سن کر علم کی جانب اپنی توجہ مبذول کی، آپ نے تحصیل علم کے دوران دین کے تمام شعبوں اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی، نحو وصرف اور تفسیر وحدیث وغیرہ کے ساتھ علم کلام میں بھی آپ کو ید طولی حاصل ہوا، حتی کہ ضرورت پڑنے پر فرق باطلہ سے بھی آپ نے مناظرے کئے، اور اس دور میں آپ کے مناظروں کا خوب ڈنکا بجا؛ پھر آپ کو احساس ہوا کہ ان تمام علوم میں انجام کے اعتبار سے سب سے زیادہ مفید علم ''فقہ وفتاوی'' کا ہے، چنانچہ آپ نے توجہ فقہ کی طرف موڑی؛ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ آپ کو فقہ کی توفیق کیسے نصیب ہوئی؟ امام صاحب نے جواب میں فرمایا: جہاں تک توفیق کا تعلق ہے تو وہ بارگاہِ لم یزل کی جانب سے تھی، **فله الحمد**، میں جب طلب علم کے لئے کمر بستہ ہوا تو میں نے تمام علوم پر ایک ایک کر کے نظر دوڑائی، ان کے نفع اور نتیجے پر خوب غور کیا، میرے جی میں آیا کہ علم کلام پڑھوں، پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے فوائد کم ہیں، آدمی اس میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اپنا عندیہ برسر عام بیان نہیں کر سکتا، اس پر طرح طرح کے الزامات بھی عائد کر دیے جاتے ہیں، اور صاحب بدعت وضلالت کا لقب بھی دیا جاتا ہے؛ پھر میں نے ادب ونحو پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ آخر اس کا مقصد اس کے

سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ بیٹھ کر بچوں کو نحو وادب کا سبق دوں؟ پھر شعر وشاعری کے پہلو پر غور کیا تو اس کا مقصد مدح وہجو، دروغ گوئی اور تخریب دین کے سوا کچھ نہ پایا؛ پھر قرأت وتجوید کے معاملے پر غور کیا، تو میں نے سوچا کہ اس میں مہارت تامہ حاصل کر لینے کے بعد آخر یہی ہوگا کہ چند نوعمر جمع ہو کر میرے پاس تلاوت قرآن کریں، باقی رہا قرآن کے مفہوم ومعانی؟ تو وہ بدستور ایک دشوار گذار گھاٹی رہے گی؛ پھر خیال آیا کہ طلب حدیث میں لگ جاؤں، پھر سوچا کہ ذخیرۂ احادیث جمع کرنے کے بعد مجھے طویل عمر کی ضرورت ہوگی، تاکہ علمی استفادے کے لئے لوگ میرے محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ طلب حدیث کے لئے احتیاج کی ضرورت نوخیز لوگوں کو ہی ہوسکتی ہے، پھر ممکن ہے کہ مجھے کذب اور سوئے حفظ سے متہم کرنے لگیں، اور روزِ محشر تک یہ الزام میرے گلے کا ہار ہوجائے؛ اس کے بعد میں نے فقہ کی ورق گردانی شروع کی، جوں جوں تکرار واعادہ کیا اس کا رعب بڑھتا ہی گیا اور اس میں مجھے کوئی عیب دکھائی نہیں دیا، میں نے سوچا کہ تحصیل فقہ میں علماء ومشائخ کی مجالست ومصاحبت اور ان کے اخلاق جلیلہ سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے مواقع میسر آئیں گے، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ادائے فرائض، اقامت دین متین، اظہار عبودیت اور دنیا وآخرت کا حصول فقہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگر کوئی شخص فقہ کے ذریعہ دنیا کمانا چاہے تو وہ بڑے بلند منصب پر فائز ہوسکتا ہے اور اگر تخلیہ وعبادت کا آرزومند ہو تو کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ وہ حصول علم کے بغیر مشغول عبادت ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ صاحب علم، فقیہ اور علم کی راہ پر گامزن ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے رائج الوقت تمام علوم وفنون پر نگاہ ڈالی، تاکہ ان میں سے اپنے لئے کسی مناسب علم کا انتخاب کر کے اس میں امتیاز وتخصص پیدا کریں؛

اس سے یہ بھی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آپ نے تمام عصری علوم میں واجبی حد تک واقفیت حاصل کرلی تھی، اگر چہ بعد میں صرف علم فقہ ہی آپ کی جولان گاہِ فکر ونظر بنا، گویا فقہ کی جانب آپ کا رجحان ومیلان دیگر علوم کے حصول اور واجبی غور وتأمل کے بعد تھا۔

بعض سیرت نگاروں نے اس کے علاوہ مختلف واقعات بھی بیان کئے ہیں جو آپ کے فقہ کی طرف توجہ کے سبب بنے؛ مثلاً ایک عورت نے ایک مرتبہ آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے، وہ کس طرح طلاق دے؟ امام صاحب اس کا جواب نہ دے سکے، اور فرمایا کہ حضرت حماد کا حلقۂ درس قریب ہے، وہاں جاکر دریافت کرلو، اور یہ بھی ہدایت کی کہ وہ جو جواب دیں مجھے آکر بتانا، وہ عورت تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور حضرت حماد کا جواب بھی بتایا؛ اس واقعے نے فقہ کی طرف آپ کے دل کو مہمیز کیا اور دلچسپی پیدا کی۔ (مناقب للموفق: ۱/۵۱)

ابو سعد سمعانی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے فرمایا کہ: ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا، اور ایک عورت نے مجھے فقیہ بنادیا، اور ایک عورت نے مجھے عابد وزاہد بنادیا؛ میں ایک جگہ سے گزر رہا تھا کہ ایک عورت نے راستے میں پڑی ہوئی چیز کی طرف اشارہ کیا، میں نے سمجھا کہ یہ اس کا سامان ہے، جب میں نے اسے اٹھا کر دیا تو اس نے کہا کہ اس کی حفاظت کرو، یہاں تک کہ اس کے مالک تک اسے پہنچادو؛ دوسری عورت نے مجھ سے حیض کا مسئلہ پوچھا، جو میں نہیں جانتا تھا، اس نے مجھ سے ایسی بات کہی کہ میں فقہ سیکھنے پر مجبور ہوگیا؛ ایک مرتبہ میں راستے سے گذر رہا تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ یہ شخص عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے؛ یہ سن کر

میں نے اس کی عادت ڈال لی، یہاں تک کہ یہ میری عادت بن گئی۔ (الجواھر المضیئه:۲/۴۶۴)

الغرض اسباب جو بھی رہے ہوں، بالآخر علم فقہ کے حصول اور اس میں تخصص ومہارت کے لئے آپ نے حضرت حماد بن ابوسلیمانؒ کی شاگردی اختیار کی، ۲۲/ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک حضرت حماد بن ابوسلیمان سے اکتساب فیض فرماتے رہے؛ تا آں کہ آپ کا شمار حضرت حماد کے بڑے شاگردوں میں ہونے لگا، اور اس مسلسل محنت کے بعد فقہ میں آپ کو اتنا بڑا مقام حاصل ہوا کہ امام شافعی جیسے جلیل القدر عالم اور فقیہ کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہوئے: **من أراد الفقه فهو عيال على أبي حنيفة**، جو شخص فقہ میں مہارت کا ارادہ کرے وہ امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے۔ (أبو حنيفه حياته وعصره: ۲۶)

حصول علم میں استقامت

تحصیل علم میں استقامت بہت ضروری ہے، استقامت سے ہی علم میں پختگی اور ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں؛ امام صاحبؒ فرماتے ہیں: میں دس برس تک اپنے استاذ امام حمادؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتا رہا اور بلا ناغہ تحصیل علم اور استفادے میں مشغول رہا، پھر خیال ہونے لگا کہ اب اپنا علیحدہ اور مستقل مدرسہ کھولوں اور خود تعلیم اور درس وتدریس کا سلسلہ قائم کروں، لیکن استاذ کا ادب اور غایت حیا مانع رہی، لہذا اس کی جرأت نہ ہوسکی؛ اتفاق سے انہی دنوں حضرت حمادؒ کو بصرہ سے اپنے کسی رشتہ دار کی موت کی خبر موصول ہوئی، جس کا حضرت حماد کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں تھا،

چنانچہ حضرت حماد بصرہ روانہ ہوگئے اور مجھے اپنا جانشین مقرر فرمایا، تلامذہ، اہل ضرورت اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا، اسی دوران بہت سے ایسے مسائل بھی پیش آئے، جن میں میں نے استاذ محترم حضرت حماد سے کوئی روایت نہیں سنی تھی؛ لہٰذا مجبوراً اپنے اجتہاد سے جوابات دیئے، اور احتیاطاً ایسے مسائل کی ایک علیحدہ یادداشت مرتب کی؛ حضرت حمادؒ بصرہ میں دو ماہ قیام فرما کر جب واپس ہوئے، تو میں نے وہ یادداشت ان کی خدمت میں پیش کردی، جس میں کل ساٹھ مسئلے درج تھے، حضرت حمادؒ نے چالیس مسائل کی تصویب فرمائی اور بیس مسائل میں غلطیاں نکالیں، جسے دیکھ کر مجھے خود شناسی ہوئی اور اس وقت سے میں نے عہد کرلیا کہ حضرت حمادؒ جب تک زندہ ہیں ان سے استفادہ اور شاگردی کا تعلق کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔ (امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات: ۵۳۔ عقود الجمان: ۱۶۳)

حضرت حماد کی نگاہِ شفقت

استاذ اور شاگرد کے درمیان شفقت ومحبت کا معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، استاذ کی نگاہ شفقت طالب علم کی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے؛ حضرت حمادؒ کے بیٹے اسماعیل کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد محترم حضرت حماد سفر میں تشریف لے گئے تھے، کچھ روز گذار کر جب واپس تشریف لائے، تو میں نے دریافت کیا: ابا جان! آپ کو سفر سے واپسی پر سب سے زیادہ کس کو دیکھنے کا شوق تھا؟ (ان کا خیال تھا کہ بیٹے کو دیکھنے کا شوق ہی ہوگا) فرمایا: ابوحنیفہ کو دیکھنے کا زیادہ اشتیاق تھا، اگر یہ ممکن ہوتا کہ میں کبھی نگاہ ان کے چہرے سے نہ اٹھاؤں تو بس یہی کرتا۔ (تاریخ بغداد)

اساتذہ کا احترام

طالب علم کے لیے استاذ کا احترام نہایت ہی ضروری ہے، استاذ کی تعظیم در حقیقت علم کی تعظیم ہے، اور یہ علم کے نفع کا سبب ہے، یہ بات تجربے سے بھی صادق ہے کہ جو لوگ اپنے اساتذہ کی دل سے تعظیم بجالاتے ہیں اللہ تعالی ان کے علوم میں بے مثال برکت عطا فرماتے ہیں، اساتذہ کی تعظیم ہی وہ عظیم دولت ہے جس سے انسان علم کی اس بلندی کو پہنچ جاتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ اس کی واضح مثال امام صاحب کی زندگی ہے، امام صاحب اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت حماد کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، آپ کے دل میں استاذ کے احترام اور عظمت شیخ کا یہ عالم تھا کہ جب تک زندہ رہے استاذ کے گھر کی طرف پاؤں پھیلا کر بھی نہیں سوئے، حالانکہ آپ اور آپ کے استاذ حضرت حماد کے گھر کے درمیان طویل فاصلہ تھا، اور درمیان میں تقریباً سات گلیاں پڑتی تھیں۔ (عقود الجمان: ۲۸۱) نیز فرمایا کہ: جب سے حضرت حماد کا انتقال ہوا ہے، میں نے ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت حماد کے لیے دعائے مغفرت نہ کی ہو۔ (المناقب للموفق ۱/ ۲۵۷) اور فرماتے تھے کہ میں ان سب کے لیے دعا کرتا ہوں جن سے میں نے علم دین سیکھا یا جن کو علم دین سکھایا۔ (مقدمہ کتاب الآثار ۱/ ۳۳)

دیگر اساتذہ اور شیوخ

امام صاحب نے مختلف شہروں میں جا کر مختلف علماء اور ائمہ سے اکتساب فیض

کیا، حتی کہ مشہور ہے کہ آپ نے چار ہزار اساتذہ سے استفادہ کیا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے کسی استاذ سے ایک حدیث بھی سنی ہے تو اس کو شیوخ میں شامل کیا گیا ہے، کیوں کہ اس زمانے میں علم کے حصول کا طریقہ یہی تھا کہ طالبان علوم نبوت مشائخ حدیث کے پاس حاضر ہوتے تھے اور ان سے حدیثیں سن کر محفوظ کرتے تھے، اسی طرح آپ نے بھی مختلف علاقوں کے علمی اسفار کئے اور بنوامیہ کے آخری دور میں تقریباً ٦/سال مکہ معظّمہ میں بھی قیام فرمایا، اسی طرح سفرحج کے دوران حرمین شریفین میں بہت سے اکابر علماء ومحدثین کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کر کے اکتساب فیض کیا، اسی وجہ سے آپ کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد ہزاروں کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ (عقود الجمان: ٥٦، مقدمہ اوجز المسالک: ١٩٩)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں امام صاحب کی مدح کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے، "ابوحنیفہ ترمذی اور نسائی کے راوی، فقیہ ملت اسلامیہ، عراق کے عالم ابوحنیفہ النعمان"، پھر آگے امام صاحب کے محدثین اساتذہ کرام میں چالیس معتبر ومعتمد ائمہ کرام کے اسمائے گرامی ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے مشائخ سے حدیثیں سنیں۔

دین کی خدمت واشاعت کے غیبی اشارات

امام ابوحنیفہؒ نے تحصیل علم سے فراغت اور جملہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل کر لینے کے بعد گوشہ نشینی کا قصد کرلیا، اچانک ایک رات خواب میں حضورؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، دیکھا کہ حضورؐ آپ سے فرمارہے ہیں کہ: اے ابوحنیفہ!

اللہ نے آپ کو میری سنت زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، آپ عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کا ہرگز قصد نہ کریں۔ (عقود الجمان، مقدمہ اوجز المسالک: ۱۷۷)

جب آپ نے یہ بشارت پائی تو گویا ایک نئی روح اور نئی زندگی ملی، اور اس کے بعد آپ فوراً افادت وافاضت خلائق اور اجتہاد واستنباط مسائل میں مشغول ہو گئے، جس کا سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔

مسند حماد کی جانشینی

مفتیٔ اعظم اور محبوب علمی شخصیت حضرت حماد کا ۱۲۰ھ میں انتقال ہو گیا، امام صاحب کی عمر اس وقت چالیس سال تھی، حضرت حماد کے انتقال کے بعد آپ کے علوم ومعارف سے استفادہ اور تدریس واشاعت کی خاطر احباب وتلامذہ میں جانشیں کے انتخاب کا مسئلہ چل پڑا؛ علم نحو، لغت وادب اور علم کلام کے غلبے کی وجہ سے حضرت حماد کے بیٹے جانشیں نہ بن سکے، پھر کچھ دن موسی بن ابوکثیر بھی مسند حمادؒ پر بیٹھنے کے بعد برطرف ہو گئے، ابوبکر نہشلی اور ابوبردہؒ نے بھی مسند حماد پر بیٹھنے سے انکار کردیا، پھر اہل علم کے مشورے سے مسند حماد کی جانشینی کے لئے امام صاحبؒ کا نام پیش کیا گیا، امام صاحب نے اس نیت سے کہ حضرت حمادؒ کے علوم ومعارف کا سلسلہ جاری رہے، درخواست منظور کرلی، اور مسند تدریس پر جلوہ آرا ہو گئے؛ اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو فقہ کا سلسلہ جاری تھا آپ اس کے وارث وامین قرار پائے۔ امام صاحب نے اگرچہ حضرت حماد رحمۃ اللہ کے شاگردوں کے اصرار پر یہ منصب قبول کیا تھا، لیکن ابتدا میں آپ کو تردد رہتا تھا؛ انہی دنوں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود کر آپ کی ہڈیاں چن رہا ہوں؛ یہ دیکھ کر آپ گھبرا گئے اور طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے، جو حلقۂ درس کی ذمہ داریاں قبول کرنے سے مانع بن رہے تھے؛ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خوف کی وجہ سے مجلس میں آنا جانا بند کر دیا، اور لوگوں سے صفائی کے ساتھ کہہ دیا؛ بالآخر ابن سیرینؒ سے خواب کی تعبیر معلوم کی گئی، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ خواب دیکھنے والا علم کو زندہ کرے گا، اور اس خواب میں مردہ علم کو زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے؛ تب جا کر امام صاحب نے حلقۂ درس کی ذمہ داریاں باضابطہ طور پر قبول کرلیں۔ (الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء: ۱۴۵، مناقب: ۱/۶۱)

امام صاحب کا حلقۂ درس

ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ طالبانِ علوم نبوت کا ازدحام ہونے لگا، اور مستفیدین کا ہجوم دن بدن بڑھنے لگا، اطراف عالم سے تشنہ لب آ کر سیراب ہونے لگے؛ امام صاحب کی صلاحیت، علم ومعرفت، فقہ واجتہاد، استنباطِ مسائل، جود وسخا اور حسن سیرت وکردار وغیرہ صفات کے پیش نظر حلقۂ درس وسیع تر ہوتا چلا گیا؛ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس وقت کے تمام درسی حلقوں پر اپنا فضل وتفوق اور انفرادیت قائم کرلی، حتی کہ مسعر بن کدام اور امام اعمش جیسے علماء بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے اور طلبہ کو شریک ہونے کی ترغیب دیتے؛ غرض یہ کہ عالم اسلام میں اسپین کے علاوہ کوئی ایسا حصہ نہیں تھا، جہاں کے باشندے آپ کے حلقۂ درس میں شریک نہ رہے ہوں؛ صاحب الجواہر المضیۃ نے لکھا ہے کہ: آپ کے حلقۂ درس میں مکہ،

مدینہ، بصرہ، واسط، موصل، دمشق، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، یمن، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، بخارا، سمرقند، ترمذ، ہرات اور نیشاپور وغیرہ کے باشندے شریک ہوتے تھے۔ (الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية: ١/٢٨، أخبار أبي حنيفة وأصحابه: ٧)

(دوسرا باب)

تدوین فقہ اور امام ابوحنیفہ

اسلامی علوم کی ابتدا آغازِ اسلام سے ہی ہوگئی تھی اور نزول وحی کے زمانے ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی، مگر ایک خاص ترتیب اور انداز کے ساتھ زمانۂ نبوت، دورِ خلافت اور اس کے بعد کے دور میں شرعی علوم مدون نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی ان کو اس وقت فن کی حیثیت حاصل تھی، اسلامی علوم کی تدوین وترتیب کا باضابطہ کام دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا ہے۔

چنانچہ تدوین فقہ کے لیے سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ آمادہ ہوئے، فقہ اور دستور اسلامی کی تدوین وترتیب اور تشکیلِ نو کے لئے آپ نے اپنے زمانے کے علماء کی ایک ایسی قانونی جماعت تیار کی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے، جو اپنے علم وفن میں مہارت کے ساتھ زہد وتقوی، اخلاص وللّٰہیت جیسی صفات سے متصف تھے؛ اس مجلسِ علماء میں آپ کو صدر کی حیثیت حاصل تھی، کیوں کہ ہزاروں محدثین وشیوخ کے آپ فیض یافتہ تھے، آپ نے کتاب وسنت اور لغت ومحاورات وغیرہ کے ان ماہرین علمائے ربانیین کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کی دفعات مرتب کیں اور اصول وفروع کا نقشہ تیار کیا، اس علمی ودینی مجلس میں وسعت نظری کے ساتھ ایک ایک مسئلہ پر غور کیا گیا، بحث ومباحثہ اور تحقیق وجستجو کی ضرورت پیش آئی تو اس سے بھی گریز نہیں کیا گیا، کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کا پورا ذخیرہ سامنے رکھا گیا، تاکہ کوئی بھی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہے، اور ہر طرح کی چھان پھٹک کر کے جچے تلے جملوں میں ہر

مسئلہ قلم بند کیا گیا۔

بالآخر دیدہ ریزی، غور وفکر اور اخلاص وللّٰہیت کے نتیجے میں فقہ کا وجود عمل میں آیا، جو ہر جہت سے مرتب ومہذب اور زندگی کے تمام شعبہ جات پر حاوی ہے؛ جس نے قلیل مدت میں دنیا کے کونے کونے تک رسائی اور مقبولیت حاصل کی، حتی کہ عباسی اور عثمانی حکومت میں مذہب ابوحنیفہ کو سرکاری حیثیت دی گئی۔

ماہرین علم وفن کی جماعت:

امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ میں جو علماء شریک تھے ان کی تعداد ہزاروں ہے؛ البتہ ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے، جو مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے؛ علامہ شامی فرماتے ہیں: **ونقل عن مسند الخوارزمي أن الإمام اجتمع معه ألف من أصحابه أجلهم وأفضلهم أربعون قد بلغوا حد الاجتهاد فقربهم وأدناهم۔** (رد المحتار: ۱/۱٦٦) مسند خوارزمی سے نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے ساتھ ہزاروں ساتھیوں کو جمع کیا، ان میں بڑے بڑے علماء چالیس تھے، جو اجتہاد کے درجے پر فائز تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب مختلف میلانات ورجحانات کی حامل شخصیات کسی معاملے پر بحث کرتی ہیں تو فیصلہ متوازن اور معتدل نقطۂ نظر پر مبنی ہوتا ہے، اور متوازن بات کو عملی زندگی میں خود بخود شرف قبولیت حاصل ہو جاتا ہے؛ شاید یہی وجہ ہے کہ جب امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے تبصرہ کیا کہ امام ابوحنیفہ غلطی پر ہیں، تو حضرت وکیعؒ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا کہ: یہ بات کہنے والا جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے؛

امام ابوحنیفہ غلطی پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں؟ جبکہ ان کے پاس ابو یوسف اور محمد جیسے ائمہ فقہ ہیں، اور فلاں فلاں علماء جیسے ائمہ حدیث ہیں، اور فلاں فلاں عربی زبان کے ماہرین ہیں، اور فضیل اور داؤد طائی جیسے ائمہ زہد وتقوی ہیں، تو جس کے ساتھیوں میں ایسے جلیل القدر علماء اور ائمہ شامل ہوں وہ غلطی پر قائم نہیں رہ سکتا ہے؛ بالفرض اگر اس سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کے ساتھی اس کو حق کی طرف لوٹا دیں گے۔ (مقدمہ اوجز المسالک: ۱۸۰)

الغرض فقہ حنفی پر گہری نظر رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ اس کو مدون ومرتب کرنے اور موجودہ شکل تک پہونچانے میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور نادرۂ روزگار شخصیتوں کی خدمات شامل رہی ہیں۔

ارکانِ مجلس شوری:

امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ (مجلس شوری) میں جو چالیس حضرات خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے، ان کے نام بعض مؤرخین نے اس طرح شمار کرائے ہیں:

(۱) امام زفرؒ، متوفی ۱۵۸ھ (۲) امام مالکؒ بن مغول ۱۵۹ھ (۳) امام داؤد طائی ۱۶۰ھ (۴) امام مندل بن علی ۱۶۸ھ (۵) امام نضر بن عبدالکریم ۱۶۹ھ (۶) امام عمرو بن میمون ۱۷۱ھ (۷) امام حبان بن علی ۱۷۳ھ (۸) امام ابوعصمہ ۱۷۳ھ (۹) امام زُہیر بن معاویہ ۱۷۳ھ (۱۰) امام قاسم بن معن ۱۷۵ھ (۱۱) امام حماد بن امام اعظم ۱۷۶ھ (۱۲) امام ہیاج بن بسطام ۱۷۷ھ (۱۳) امام شریک بن عبداللہ ۱۷۸ھ (۱۴) عافیہ بن یزید ۱۸۰ھ (۱۵) امام عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ (۱۶) امام ابو یوسف

۱۸۲ھ (۱۷) امام محمد بن نوح ۱۸۲ھ (۱۸) امام ہشیم بن بشیر السلمی ۱۸۳ھ (۱۹) ابوسعید یحی بن زکریا ۱۸۴ھ (۲۰) امام فضیل بن عیاض ۱۸۷ھ (۲۱) امام اسد بن عمر ۱۸۸ھ (۲۲) امام محمد بن الحسن ۱۸۹ھ (۲۳) امام یوسف بن خالد ۱۸۹ھ (۲۴) امام علی بن مسہر ۱۸۹ھ (۲۵) امام عبداللہ بن ادریس ۱۹۲ھ (۲۶) امام فضل بن موسی ۱۹۲ھ (۲۷) امام علی بن طبیان ۱۹۲ھ (۲۸) امام حفص بن غیاث ۱۹۴ھ (۲۹) وکیع بن جراح ۱۹۷ھ (۳۰) امام ہشام بن یوسف ۱۹۷ھ (۳۱) امام یحي بن سعید القطان ۱۹۸ھ (۳۲) امام شعیب بن اسحاق ۱۹۸ھ (۳۳) امام حفص بن عبدالرحمن ۱۹۹ھ (۳۴) ابومطیع بلخی ۱۹۹ھ (۳۵) امام خالد بن سلیمان ۱۹۹ھ (۳۶) امام عبد الحمید ۲۰۳ھ (۳۷) امام حسن بن زیاد ۲۰۴ھ (۳۸) امام ابو عاصم النبیل ۲۱۲ھ (۳۹) امام مکی بن ابراہیم ۲۱۵ھ (۴۰) امام حماد بن دلیل ۲۱۵ھ۔ (الجواهر المضیئة: ۱/۱۴، امام اعظم ابو حنیفه: ۱۷۸)

مجلس شوری کی خصوصیات:

امام صاحب کی مجلس شوری کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لینے کے بعد چند چیزیں ابھر کر سامنے آتی ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ نے تدوین فقہ کا کام اجتماعی کوشش کے ذریعے انجام دینے کا فیصلہ کیا، امام صاحب سے پہلے بھی تدوین فقہ کا کام انجام دیا جارہا تھا، لیکن یہ سب کوششیں انفرادی تھیں، اور اجتماعی کوشش میں انفرادی سعی کے مقابلے میں غلطی کا امکان بہت کم رہتا ہے۔

(۲) امام صاحب کے احباب خود بھی مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے امام صاحب نے ان حضرات سے تدوین فقہ میں شریک ہونے اور تعاون کرنے کی درخواست کی تھی؛ موفق احمد مکی کا بیان ہے کہ: ایک دن امام صاحب نے اپنے چالیس شاگردوں سے کہا: تم سب میرے جلیل القدر ساتھی، میرے دل کے راز داں اور میرے غمگسار ہو، میں فقہ کی اس سواری کو زین اور لگام لگا کر تمہارے سپرد کر چکا ہوں، اب تمہیں چاہیے کہ میری مدد کرو، کیوں کہ لوگوں نے مجھے دوزخ کا پل بنا دیا ہے، سہولت تو دوسروں کو ہوتی ہے اور بوجھ میری پیٹھ پر رہتا ہے۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق: ۱/۳۳)

(۳) فقہ کی تدوین وترتیب میں جن علوم وفنون کی ضرورت تھی، آپ نے ان تمام علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کرلیا تھا، اسی لئے آپ کی مجلس شوری میں جامعیت اور کمال پایا جاتا تھا۔

(۴) جن مسائل میں نصوص موجود نہیں تھے اور قیاس کی بھی بظاہر گنجائش نہیں تھی، وہاں امام صاحب تجربے اور عرف کی بنا پر فیصلہ کیا کرتے تھے؛ چنانچہ ایک دن یہ سوال آیا کہ بلوغ کی عمر کیا ہے؟ اس دن مجلس فقہ میں تیس شاگرد تھے، امام صاحب نے سب سے پوچھا کہ وہ کب بالغ ہوئے؟ اکثر نے اٹھارہواں سال بتایا، اور چند نے انیس؛ آپ نے اکثریت کے تجربے پر اٹھارہ سال مقرر فرمایا۔ (مناقب للموفق: ۱/۷۵)

(۵) امام صاحب کی مجلس فقہ کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ کے یہاں تمام اراکین کو بحث ومباحثہ کی کھلی آزادی حاصل تھی، تمام اراکین اگرچہ آپ کے شاگرد تھے، لیکن آپ نے سب کو کھل کر بحث ومباحثہ کا عادی بنادیا تھا، اسی لئے بسا اوقات وہ امام

صاحب کی دلیل پر بھی کھل کر بحث کرتے تھے اور تنقید بھی کرتے تھے، حتی کہ بہت سے مسائل میں ان کا اختلاف بھی باقی رہا۔

(۶) امام صاحب کا یہ شورائی نظام حضرات خلفائے راشدین کے شورائی نظام کے مشابہ تھا، حضرات خلفائے راشدین کے یہاں مسائل کو حل کرنے کا جو انداز تھا وہی نظام امام صاحب نے بھی رائج فرمایا تھا، گویا آپ نے اپنے اس عمل میں حضرات شیخین حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کی تھی۔

(۷) اس شورائی نظام میں صرف پیش آمدہ مسائل ہی حل نہیں کیے جاتے تھے، بلکہ ایسے غیر پیش آمدہ مسائل اور ان کے حل کی طرف بھی توجہ دی جاتی تھی، جن کا کسی بھی زمانے میں پیش آنے کا امکان تھا۔ (مستفاد: ابوحنیفہ سوانح وافکار: ۱۹۲)

طریقۂ تدوین:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اسلامی کی بنیاد انہی متفق علیہ اور محکم اصولوں پر رکھی ہے جو درحقیقت علوم اسلامیہ کی بنیاد و ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن پر تمام علمائے اہل سنت والجماعت متفق ہیں؛ آپ کے نزدیک فقہ کی تدوین وتخریج کا مصدر اوّل قرآن کریم تھا، اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملتا تو پھر احادیث رسول کی طرف رجوع فرماتے، کتاب وسنت سے اگر کوئی واضح حکم نہیں ملتا تو پھر اقوال صحابہ کی طرف رجوع فرماتے، امام صاحب خود فرماتے ہیں:

إني آخذ بكتاب اللّٰه إذا وجدته، فما لم أجد فيه أخذت	میں (شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں، اور جو احکام مجھے

بسنة رسول الله والآثار الصحاح اللتي فشئت في أيدي الثقات عن الثقات فاذا لم أجد في كتاب اللّٰه ولا سنّة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم أخذتُ بقول أصحابه من شئت وادع من شئت ثم لا أخرج عن قولهم إلى غيرهم وإذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبي والحسن والعطاء وابن سيرين وسعيد بن المسيب وعلا رجالاً فقوم اجتهدوا فلي أن أجتهد كما اجتهدوا"۔ (مناقب أبي حنيفة للموفق: ۱/۸۰۔ تاريخ بغداد ۱۳/۳٦۵)

کتاب اللہ میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ اور ان صحیح آثار پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے منقول ہو کر ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہیں، اور اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں نہیں پاتا ہوں تو صحابہ کے اقوال میں سے جن کا قول کتاب وسنت کے قریب پاتا ہوں اس پر عمل کرتا ہوں، اقوال صحابہ سے باہر نہیں جاتا کہ ان کے اقوال کو چھوڑ کر دوسروں کے قول اختیار کروں؛ اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، حسن بصری، عطاء، سعید بن مسیب وغیرہ حضرات تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا ہے، لہٰذا مجھے بھی حق ہے کہ ان کی طرح اجتہاد کروں (یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا؛ بلکہ خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں کو کام میں لاکر فکر و اجتہاد سے پیش آمدہ مسائل حل کرنے کی سعی پیہم کرتا ہوں)۔

الغرض غیر منصوص مسائل میں امام صاحبؒ نے کبھی بھی کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، بلکہ اگر کوئی مسئلہ متفرع کرنا ہوتا تو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ کی روشنی میں اس کی تخریج فرماتے، اور اس وقت تک اس کی تفریع نہیں فرماتے

جب تک کہ تمام احباب کو جمع کر کے اس پر بحث نہ ہو جاتی، علمائے عصر سے مشورہ اور ان کا اتفاق آپ ضروری سمجھتے تھے، تمام احادیث اور اقوال صحابہ کو سامنے رکھ کر بسا اوقات ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث ہوتی، پھر جب ہر پہلو سے اطمینان حاصل ہو جاتا اور تمام علمائے شریعت متفق ہو جاتے، تب کہیں جا کر اس مسئلے کو قلم بند کیا جاتا؛ چنانچہ علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

وكان يجمع العلماء في كلّ مسئلة لم يجدها صريحة في الكتاب والسنّة ويعمل بما يتفقون عليه فيما --- وكذالك يفعل إذا استنبط حكما فلا يكتبه حتى يجمع عليه علماء عصره فإن رضوه قال لأبي يوسف اكتبه۔ (كتاب الميزان للشعراني: ۱/ ۵، كذافي رد المحتار ۱/ ۱۶۵، مقدمة أوجز المسالك: ۲۰۵)

جو مسئلہ کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ نہیں ملتا اس کے لیے تمام علماء کو جمع کرتے اور جس پر سب کا اتفاق ہو جاتا اسی پر عمل فرماتے --- اور جب کسی حکم کا استنباط مقصود ہوتا تو اس وقت تک اس کو ضبط تحریر میں نہیں لاتے جب تک کہ تمام علماء کو جمع کر کے مشورہ نہ کر لیتے، جب سب متفق ہو جاتے تو امام ابو یوسفؒ سے فرماتے کہ اسے لکھو۔

اسی طرز استنباط اور طریقۂ تدوین کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فكان إذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم وجاوزهم وسألهم فيسمع ما عندهم من

جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام ابوحنیفہ اپنے تمام اصحاب علم وفن سے مشورہ، بحث ومباحثہ اور تبادلۂ خیال

الأخبار والآثار ويقول ما عنده ويناظرهم شهرا أو أكثر حتى يستقر آخر الأقوال فيثبته أبويوسف حتى أثبت الأصول على هٰذا المنهاج شورى لا أنه تفردبذلک۔
(ردالمحتار: ۱/۱۶۶)

کرتے، پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس احادیث اور اقوال صحابہ کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں، پھر خود اپنا حدیثی ذخیرہ سامنے رکھتے، پھر اس مسئلہ پر مہینوں بحث ہوتی تا آں کہ آخری بات طے پاتی اور امام ابویوسف اسے قلم بند کرتے، اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے، ایسا نہیں ہوا کہ امام صاحب نے تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو،

ایک مرتبہ امام اعمشؒ کے پاس کوئی شخص مسئلہ پوچھنے آیا، تو آپ نے اس سے کہا کہ: امام ابوحنیفہ کے حلقے میں جا کر مسئلہ دریافت کرو، کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی مسئلہ آتا ہے تو مسلسل بحث ومباحثہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ صحیح رائے تک پہونچ جاتے ہیں۔ (اصول نقدمتن السنة: ۲۶۷)

کتاب وسنت کے خلاف رائے کی شدید مذمت:

استنباط اور تخریج مسائل کے دوران بہت سی رائے آتیں، امام صاحبؒ اس رائے کی شدید مذمت فرماتے جو کتاب وسنت سے مستفاد نہ ہوتی، بلکہ اس کو ضلالت سے تعبیر فرماتے؛ چنانچہ علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

وقدروى الشيخ محي الدين في الفتوحات المكية بسنده

فتوحاتِ مکیہ میں شیخ محی الدینؒ نے مسلسل امام ابوحنیفہ تک اپنی سند بیان

إلى الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه أنه كان يقول إياكم والقول في دين الله تعالى بالرأي وعليكم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل۔ (كتاب الميزان للشعراني: ۱/۵۱)

کرنے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: امام صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالی کے دین میں محض رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے سے بچو اور اپنے اوپر سنت کی پیروی لازم کرلو، اس لیے کہ جو اس سے خارج ہوا وہ گمراہ ہوگیا۔

نیز آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک شریعت میں کسی بات کا ثبوت نہ مل جائے، اس وقت تک اس کو زبان پر لانا بھی درست نہیں ہے؛ علامہ شعرانی کہتے ہیں: وكان يقول لا ينبغي لأحد أن يقول قولا حتى يعلم أن شريعة رسول الله صلّى الله عليه وسلم تقبله۔ (كتاب الميزان للشعراني: ۱/۵۱) امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ بات شریعت رسولؐ کے مطابق ہے، کسی کے لیے اس کو زبان پر لانا بھی درست نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میرا کوئی قول کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سے ٹکرائے تو میرے اُس قول کو ترک کردو، یعنی اس وقت میرے قول کی وقعت کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سئل أبو حنيفة إذا قلت قولا وكتاب الله يخالفه قال اتركوا قولي بكتاب الله فقيل إذا كان خبر الرسول صلى الله عليه وسلم يخالفه قال اتركوا قولي بخبر

امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے کسی قول کی کتاب اللہ سے مخالفت ہوتی ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو؛ کہا گیا کہ

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقیل إذا کان قول الصحابة یخالفه قال اترکوا قولي بقول الصحابة رضي اللّٰہ عنهم۔ (عقد الجید للشاہ ولي اللّٰہ:۵۳)

اگر آپ کا قول حدیث رسول کے خلاف ہو؟ فرمایا کہ حدیث رسول کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو؛ کہا گیا کہ اگر آپ کا قول قولِ صحابہ سے ٹکرا رہا ہو؟ فرمایا کہ قولِ صحابہ کے مقابلے میں بھی میرا قول ترک کردو؛ (یعنی میرے قول کی وقعت اس وقت کچھ نہیں ہے جب ان میں سے کسی کے بھی خلاف ہو)

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

فقد صح عن أبي حنیفة أنه قال إذا صح الحدیث فهو مذهبي وقد حکی ذلک الامام ابن عبد البر عن أبي حنیفة وغیره من الأئمة ونقله أیضا الإمام الشعراني إلخ۔ (شرح عقود رسم المفتي ۱۱۶، رد المحتار ۱/۱۶۷)

یہ روایت امام صاحبؒ سے بالکل درست ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث صحت کو پہونچ جائے (صحیح حدیث آجائے) تو پھر میرا مذہب وہی حدیث ہے؛ اسی کو امام ابن عبد البر اور دیگر ائمہ نے امام صاحبؒ سے نقل کیا ہے اور امام شعرانی نے بھی نقل کیا ہے۔

إذا صَحَّ الحدیث فهو مذهبي کا صحیح مطلب:

امام صاحبؒ کے ارشاد ”إذا صَحَ الحدیث فهو مذهبي“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی کوئی صحیح حدیث سامنے آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا؛ جیسا کہ آج اس بات کو بہت زور وشور کے ساتھ اچھالا جاتا ہے اور یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ امام صاحب نے تو غیر راجح مسئلہ بیان کرنے کے باوجود اپنا دامن یہ کہہ کر بچالیا کہ ''اگر اس کے مقابلے میں صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہوگا''، لیکن احناف صحیح حدیث آجانے کے باوجود امام صاحب کے اقوال کو سینے سے لگائے رہتے ہیں؟ یہ محض مغالطہ اور تلبیس ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے استنباط کردہ مسائل آیات قرآنی یا کسی نہ کسی حدیث ہی کی روشنی میں ہوتے ہیں، اسی وجہ سے امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میں حدیث رسول کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا، لہٰذا تم اس سلسلے میں جستجو کر کے دیکھ لینا، میرا کوئی قول حدیث کے خلاف نہیں ملے گا، بالفرض اگر میرے کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو اب میرا مسلک وہ نہیں ہے جو پہلے سے تمہارے سامنے ہے، بلکہ اب میرا مسلک وہ ہوگا جو حدیث صحیح کے موافق ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح منسوخ نہ ہو اور دوسری صحیح حدیث اور قرآنی آیت کے مقابل نہ ہو؛ امام صاحبؒ کے مذکورہ ارشاد کا یہی مطلب ہے۔

قوتِ دلائل پر بنیاد:

امام صاحبؒ نے اپنے تلامذہ اور اصحاب کو حکم دے رکھا تھا کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر مت جمنا، بلکہ اگر کسی مسئلے میں کوئی وزنی اور قابل اعتماد دلیل شرعی مل جائے تو پھر اسی کو اختیار کرنا اور دوسروں کو اس کا حکم دینا، کیوں کہ اصل مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے، اپنی فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے؛ حتی کہ خود امام صاحبؒ کے سامنے بھی اگر اپنے قول کے ضعیف ہونے کی بات آجاتی تو وہ اس قول کو

چھوڑ کر راجح اور قوی دلیل والا قول اپنا لیتے تھے۔ (امام صاحب کی یہ ہدایت ہر کس وناکس کے لیے نہیں تھی، بلکہ یہ اجازت صرف اس شخص کے لیے تھی جو نصوص پر گہری نظر رکھنے والا اور ناسخ ومنسوخ کی واقفیت رکھنے والا ہو)

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فاعلم أن الإمام أبا حنيفة من شدة احتياطه وورعه وعلمه بأن الاختلاف من آثار الرحمة قال لأصحابه أن توجه لكم دليل فقولوا به۔ (شرح عقود رسم المفتي: ۱۱۲، ردالمحتار: ۱/۱۶۶)

امام صاحب نے ورع وتقوی، غایت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف رحمت ہے، اپنے اصحاب کو یہ نصیحت کی کہ اگر کسی مسئلے میں میرے قول کے خلاف کوئی مضبوط دلیل مل جائے تو پھر اسی کو اختیار کرو۔

بعد والوں کی احتیاط:

یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے تلامذہ، اصحاب اور بعد والوں کو کسی مسئلے کے دلائل وبراہین میں شبہ پیدا ہوا، تو انہوں نے اسے ترک کر دیا اور کتاب وسنت کے دائرے میں جو صحیح صورت نظر آئی، اسی پر عمل کیا؛ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: **وقد يتفق لهم أن يخالفوا أصحاب المذهب لدلائل وأسباب ظهرت لهم** (شرح عقود رسم المفتي: ۸۵) اور کبھی کبھی دلائل وبراہین کے پیش نظر ان لوگوں نے اصحاب مذہب کی مخالفت بھی کی ہے۔

امام صاحب کی سب مستدل روایات صحیح اور غیر متکلم فیہ ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مستدلات میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی جو شافعی مسلک کے بہت بڑے محدث وفقیہ ہیں، بلکہ متعصب شوافع میں شامل ہیں، فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے میرے ساتھ یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کی تینوں مسانید کا مطالعہ کیا ہے اور آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی روایات میں سے کوئی بھی روایت ضعیف سند سے مروی نہیں ہے، بلکہ ساری روایات خیار تابعین اور ایسے ثقہ راویوں سے مروی ہیں جو خیر القرون کے اعلی درجے کے راویوں میں شامل ہیں، جیسے امام اسود ابن یزید، علقمہ، عطا ابن ابی رباح، امام عکرمہ، امام مجاہد ابن جبر، امام مکحول، حسن بصری اور انہیں کے درجے کے بڑے بڑے حفاظ حدیث۔ اور امام ابوحنیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے بھی راوی ہوتے ہیں سب کے سب عدول، ثقات، اعلام اور خیار تابعین میں سے ہیں، ان میں نہ کوئی کذاب ہے اور نہ ہی کوئی متہم بالکذب ہے۔ (اوجز المسالک ۱/۱۸۷)

وہ احادیث جن سے امام اعظم نے احکام کے استنباط کے لیے استدلال فرمایا ہے اور بعد کے محدثین نے ان روایات پر کلام کیا ہے اور ان روایات کی سند کے راویوں پر ضعف کا نشان لگایا ہے، وہ سب ضعف اور کمزوری امام صاحب کے ان روایات سے استدلال کرنے کے بعد کی ہے، امام صاحب کے استدلال سے پہلے سلسلۂ سند کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہے، بعد میں ضعیف راوی آئے ہیں؛ لہذا بعد کے ضعیف راویوں کو دیکھ کر یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوگا کہ

جس وقت امام صاحب نے استدلال کیا تھا اس وقت بھی یہ روایتیں ضعیف تھیں۔اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک چلتی نہر ہے،اس کے بیچ میں ایک مردار پڑا ہوا ہے،جس کی وجہ سے نیچے کی طرف کا سارا پانی بدبودار ہوگیا ہے،مگر اوپر کا پانی بدبودار نہیں ہے؛ اب اگر کوئی شخص اس مردار کے نیچے کی طرف سے پانی پی لیتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پیا ہے،لیکن اگر کوئی شخص اس نہر کے اوپر کی جانب سے پانی پیتا ہے،جس میں مردار کی بدبو اور نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے،تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پیا ہے، بلکہ اس نے صاف اور پاک پانی پیا ہے۔ایسا ہی ان ضعیف روایات سے استدلال کا حال ہے جن کی سند کے بیچ میں کمزور راوی آیا ہے،امام صاحب کا استدلال کمزور راوی آنے سے پہلے کا ہے؛لہذا امام صاحب پر یہ الزام درست نہیں ہے کہ کمزور روایات سے استدلال کرتے ہیں، آپ نے سب صحیح روایات سے استدلال کیا ہے؛ہاں البتہ یہ اعتراض ان لوگوں کے بارے میں صحیح ہوسکتا ہے جنہوں نے روایت کی سند میں ضعیف راوی آنے کے بعد نیچے سے حدیث لے کر استدلال کیا ہے؛ امام صاحب کے سارے مستدلات صحیح اور غیر متکلم فیہ ہیں۔ (مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ ۱/۴۴)

امام صاحب کے نزدیک اجماع کی حیثیت:

امام صاحب کے نزدیک قرآن وحدیث کے بعد تیسرا اصول اجماع ہے،اس میں حضرات صحابہ کا اجماع بھی داخل ہے؛اگر کسی مسئلے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہے تو ان میں سے جس صحابی کا قول قرآن وحدیث اور قواعد شریعت کے زیادہ مطابق

ہے،آپ اس پرعمل کرتے تھے؛ حضرات صحابہ کے اقوال سے آپ خروج نہیں کرتے تھے۔اسی طرح اجماع مجتہدین یعنی کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی مسئلے پر اتفاق کرلینا بھی امام صاحب کے نزدیک ایک شرعی دلیل تھی، کیوں کہ آپ کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:"**إن أمتي لن تجتمع على ضلالة فإذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم**"(ابن ماجہ رقم: ۳۹۵۰) میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی ہے، پس اگر لوگوں کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف دیکھوتو بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

موفق احمد مکی نے لکھا ہے: **وكان عارفا بحديث أهل كوفة شديد الاتباع بما كان عليه ببلده** (مناقب للموافق:۱/۸۰) امام صاحب اہل کوفہ کی حدیث سے بہت آگاہ تھے،اوراس پر بڑی سختی سے عمل پیرارہتے تھےجس پر اہل کوفہ کا عمل ہوتا تھا۔اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ اجماع فقہاء بھی آپ کے نزدیک حجت تھا۔

امام صاحب کے نزدیک قیاس کی حیثیت:

مروی ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحب کے نام تحریر لکھی کہ: مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ آپ حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں؛ اس پر امام صاحب نے ان کو جوابی خط لکھا کہ:

''امیر المؤمنین! آپ کو جو خبر پہونچی ہے، وہ خلافِ واقعہ ہے؛ میں اوّلاً کتاب اللہ پر، پھر سنت رسول اللہ پر، اس کے بعد خلفائے راشدین کے فیصلوں پر اور پھر بقیہ صحابہ کے فیصلوں پر عمل کرتا ہوں؛ اگر ان مصادر سے بھی مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہوسکے تو پھر اختلافی مسائل میں قیاس کرتا ہوں؛ اللہ تبارک وتعالی اوراس کی مخلوق کے درمیان

کوئی رشتے داری نہیں ہے'' (کہ جو شخص اپنی مرضی سے جو چاہے رائے قائم کرلے)۔ (أبو حنیفۃ فقھہ وآراہ: ۳۰۴)

محدث جلیل عبداللہ ابن مبارک امام ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہم تک پہونچے تو وہ سر آنکھوں پر ہے اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کوئی بات آئے تو ہم اس کو اختیار کریں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے؛ البتہ تابعین کی طرف سے بات آئے گی تو ہم (دلیل کی روشنی میں) ان سے معارضہ کریں گے۔ (عقود الجمان: ۱۷۳، مقدمة أوجز المسالک: ۲۰۲)

امام صاحب یہ بھی فرماتے تھے: مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتوی دیتا ہوں، حالانکہ میں تو صرف اثر (سلف صالحین سے منقول بات) کو ہی فتوے کی بنیاد بناتا ہوں۔ (مقدمة أوجز المسالک: ۲۰۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماعِ صحابہ کی موجودگی میں کسی کو اس کے مخالف رائے اپنانے کا حق نہیں ہے؛ اور اگر صحابہ کی رائیں مختلف ہوں تو ان میں جو قول ہمیں کتاب وسنت سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوگا اسے ہم اختیار کریں گے۔ (مناقب أبي حنیفۃ للموفق: ۱/۸۰۔ تاریخ بغداد ۱۳/۳۶۵)

ایک مرتبہ آپ مجلس میں کسی قیاسی مسئلہ کا ذکر فرما رہے تھے، حاضرین میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ قیاس چھوڑیے؟ کیوں کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا شخص تو ابلیس ہے؛ امام صاحب نے اس کی بات سن کر سنجیدگی سے ارشاد فرمایا: ارے بھائی! آپ بات کو غلط رخ دے رہے ہیں، ابلیس نے اپنے قیاس کے ذریعے اللہ تعالی کا حکم توڑنے کی کوشش کی تھی، جبکہ ہم اللہ تعالی کے حکم کی اتباع کے لئے قیاس

کر رہے ہیں، کیوں کہ ہمارے قیاس کی بنیاد کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین کے اقوال وآراء پر ہے،تو ہماری تو ساری محنت اتباع کے اِردگرد ہورہی ہے(جبکہ ابلیس کا مقصد سراسر بغاوت اورانکارتھا)تو ہم ابلیس کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟امام صاحب کی یہ وضاحت سن کر وہ معترض شخص بول اُٹھا کہ: واقعی مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی، اب میں توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالی آپ کے دل کوایسے ہی منور فرمائیں جیسے آپ نے میرے قلب کوروشنی بخشی ہے۔(مقدمۃأوجز المسالک:۲۰۲)

ایک مرتبہ امام ابوجعفر صادق محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے کسی نے بتایا کہ ابوحنیفہ کتاب وسنت کے مقابلے میں اپنے قیاس پرعمل کرتے ہیں؟ چنانچہ ایک مرتبہ حج کے ایام میں امام صاحب کی ملاقات امام ابوجعفر صادق سے ہوگئی، اثنائے گفتگوامام جعفر نے کہا کہ: آپ ہی نے میرے نانا کی حدیث کی مخالفت رائے اور قیاس سے کی ہے؟امام صاحب نے کہا: معاذ اللہ! ہمارے نزدیک آپ کے نانا کی طرح آپ بھی محترم ہیں،تشریف رکھیں، میں اس بارے میں کچھ کہتا ہوں، میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں،آپ جواب دیں، پھر میں عرض کروں گا؛(۱)مرد کمزور ہے یاعورت؟انہوں نے کہا کہ عورت کمزور ہے؛امام صاحب نے پوچھا: وراثت میں مرد کے مقابلے میں عورت کا کتنا حصہ ہے؟انہوں نے کہا کہ مرد کا نصف (آدھا) ہے؛ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو اس کے برعکس کہتا، کیوں کہ عورت مرد سے کمزور ہے۔(۲)نماز افضل ہے یاروزہ؟امام جعفر نے کہا کہ نماز افضل ہے؛ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو کہتا کہ حائضہ عورت روزے کے بجائے نماز کی قضا کرے۔(۳)پیشاب زیادہ ناپاک ہے یامنی؟امام جعفر نے کہا کہ پیشاب زیادہ ناپاک ہے؛امام صاحب نے فرمایا کہ:اگر میں قیاس کو

دخل دیتا تو کہتا کہ منی سے غسل واجب نہیں ہوگا، بلکہ پیشاب سے ہوگا؛ یہ سن کر امام جعفر صادقؒ نے بے ساختہ امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (عقود الجمان: ۲۷۹)

علامہ شعرانیؒ ابو مطیعؒ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں ایک دن ''کوفہ'' کی جامع مسجد میں امام صاحبؒ کے پاس تھا، اسی درمیان سفیان ثوریؒ، مقاتل بن حیانؒ، حماد بن سلمہؒ اور جعفر صادقؒ وغیرہ آئے، انہوں نے امام صاحبؒ سے گفتگو کی، اور کہا کہ ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ آپ دین میں بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں اور ہم اس بات کو لے کر آپ کے سلسلے میں بہت خوف کر رہے ہیں، کیوں کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا؛ امام صاحبؒ نے کئی گھنٹے ان سے گفتگو کی اور ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کیا، تو وہ لوگ کھڑے ہو کر آپ کے ہاتھ پیر چومنے لگے اور انہوں نے کہا کہ آپ تو علماء کے سردار ہیں، لاعلمی میں ہم نے جو کچھ آپ کے بارے میں کہا ہے، ہم اس سے معافی چاہتے ہیں، اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ (مقدمة أوجز المسالک: ۱۹۷)

اس طرح کے سینکڑوں واقعات کتابوں میں موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کے مقابلے میں قیاس کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ میں موجود نہیں تھا، اور صحابہ کے اقوال میں بھی اس کا کوئی حل نہیں ملا، تو ایسی مشکل صورتِ حال میں امام صاحب نے اس غیر منصوص مسئلہ کو کسی علت کی بنا پر منصوص مسئلہ کے ساتھ لاحق کیا ہے، جس کا نام قیاس ہے؛ اسی طرح اگر کسی مسئلہ کو قیاس سے مستنبط کیا اور پھر اس مسئلے کی دلیل احادیث وآثار میں مل گئی تو فوراً اپنا قیاس چھوڑ کر حدیث کو اختیار

فرمایا، حتی کہ اگر کوئی ضعیف حدیث بھی مل گئی تو آپ نے اُسی کو اختیار کیا۔

قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث پر عمل:

امام صاحبؒ کا خاص امتیاز یہ ہے کہ آپ حدیث ضعیف کے مقابلے میں بھی قیاس کو کوئی وقعت نہیں دیتے تھے اور نہ حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے قیاس کو قابل اعتناء سمجھتے تھے؛ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن مذهب أبي حنيفة أن ضعيف الحديث عنده أولى من القياس والرأي وعلى ذٰلک بني مذهبه۔
(اعلام الموقعین: ۱/۸۲)

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ اور متبعین کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے اولی اور بہتر ہے، اسی نظریہ پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

علامہ ابن قیم نے ”اعلام الموقعین“ میں ایسی بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ اگر امام صاحب کو کسی قیاسی مسئلے میں ضعیف حدیث بھی مل گئی تو آپ نے اس قیاسی مسئلے کو چھوڑ دیا اور حدیثِ ضعیف پر عمل کیا۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فقدم أبو حنيفة حديث القهقهة في الصلاة على محض القياس وأجمع أهل الحديث على ضعفه وقدم حديث الوضوء بنبيذ التَّمر

امام صاحب نے نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جانے کی حدیث کو مقدم کیا ہے قیاس پر (قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ نماز میں قہقہہ لگانے

على القياس وأكثر أهل الحديث يضعّفه وقدم حديث أكثر الحيض عشرة أيام وهو ضعيف باتفاقهم على محض القياس وقدم حديث لا مهر أقلّ من عشرة دراهم واجمعوا على ضعفه بل بطلانه على محض القياس۔	سے وضو نہ ٹوٹے مگر حدیث ضعیف کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا) حالانکہ اہل حدیث کا اس حدیث کے ضعف پر اجماع ہے؛ اسی طرح نبیذ تمر سے وضو کے جواز کی حدیث کو قیاس پر ترجیح دی ہے، جبکہ اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث بھی ضعیف ہے؛ اسی طرح حدیث ''حیض کی اکثر مدت دس دن ہے'' کو قیاس پر ترجیح دی ہے؛ اسی طرح حدیث ''مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے'' کو قیاس پر ترجیح دی ہے،
(اعلام الموقعین: ۱/۳۸)	حالانکہ یہ دونوں حدیثیں بالاتفاق ضعیف ہیں۔

علامہ ابن قیم کے اس تفصیلی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث کے مقابلے میں قیاس کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہے۔

امام صاحب کا استحسان پر عمل:

استحسان قیاس قوی کے مقابلے میں قیاس خفی کا نام ہے، امام صاحب کے نزدیک قیاس کے بعد استحسان کا درجہ ہے، بعض مرتبہ آپ قیاس کے مقابلے میں استحسان کو اختیار کرتے تھے، استحسان بھی قیاس کی طرح دلیل شرعی ہے؛ بعض حضرات نے آپ پر یہ الزام عائد کیا کہ آپ استحسان پر عمل کرتے ہیں، جبکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ استحسان قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے، قرآن

کریم کی آیت: **الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ** (الزمر:۱۸) اور حدیث: **ما رآه المسلمون حسنا فهو عند اللّٰہ حسن** (مؤطا امام مالک رقم: ۲۴۱) سے استحسان کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

امام صاحب کے نزدیک استحسان کا عمل شاگردوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ دلائل اور استنباط کے مقابلے میں ان سے بحث ومباحثہ کرتے تھے، لیکن جب آپ کہتے: **استحسن لم یلحقه أحد منهم لکثرة ما یورد في الاستحسان** (مناقب موفق: ۱/۸۱) کہ میں اس مسئلے میں استحسان پر عمل کر رہا ہوں، تو پھر آپ سے کوئی اس مسئلہ میں بحث نہیں کرتا۔

استحسان نہ صرف امام صاحب کے یہاں ہے، بلکہ دیگر ائمہ مجتہدین کے یہاں بھی استحسان پر عمل موجود ہے؛ چنانچہ موفق احمد مکی فرماتے ہیں: **ومع ذٰلک فإن سائر الفقهاء کمالک والشافعي شحنوا کتبهم بالاستحسان قال الشافعي استحسن أن یکون المتعة ثلاثین درهما** (مناقب ابی حنیفه للموفق: ۱/۵۸۵) اس کے باوجود تمام فقہاء جیسے امام مالک اور امام شافعی، انہوں نے بھی اپنی کتابوں کو استحسان سے مزین کیا ہے؛ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اس بات کو مستحسن سمجھتا ہوں کہ متعہ تیس درہم ہونا چاہیے۔

امام صاحب کا عرف پر عمل:

قیاس واستحسان کی طرح عرف بھی امام صاحب کے نزدیک ایک دلیل تھی۔ قرآن وحدیث اور اجماعِ صحابہ اولین مصادر شریعت ہیں، قیاس واستحسان اور عرف ثانوی مصادر شریعت ہیں، ضرورت کے وقت ان سے بھی استدلال اور استخراج کیا

جاسکتاہے۔

موفق احمد مکی لکھتے ہیں کہ: امام صاحب معتبر قول کو لیتے، قبیح سے دور بھاگتے، لوگوں کے معاملات میں غور وفکر کرتے، جب لوگوں کے احوال اپنی طبعی رفتار سے جاری رہتے تو قیاس کرتے، مگر جب قیاس سے کسی فساد کا اندیشہ رہتا تو لوگوں کے معاملات کا فیصلہ استحسان سے کرتے، جب اس سے بھی معاملات بگڑتے نظر آتے تو مسلمانوں کے تعامل کی طرف نظر کرتے، جس حدیث پر محدثین کا اجماع ہوتا اس پر عمل کرتے، پھر جب تک مناسب ہوتا اس پر اپنے قیاس کی بنیاد کھڑی کرتے، پھر استحسان کا رخ کرتے، قیاس اور استحسان میں جو موافق ہوتا اس کی طرف رجوع کرتے۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق:۱/۷۵)

معلوم ہوا کہ جہاں نص اور قولِ صحابی دونوں نہ ہوں تو قیاس پر عمل کرنا چاہیے، جب تک کہ وہ سازگار ہو؛ اور اگر قیاس کا نتیجہ حالات کے موافق نہ ہو تو استحسان کی طرف رجوع کیا جائے، اور اگر یہ بھی درست نہ ہو تو لوگوں کے تعامل اور عرف پر عمل کرنا چاہیے۔ بعض مقامات پر اگر قیاس کی علت واضح نہیں ہوتی تو امام صاحب لوگوں کے تعامل کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے، البتہ اگر قیاس کی علت واضح ہوتی تو قیاس کو ترجیح دیتے تھے؛ کیونکہ اس صورت میں وہ زیادہ لائق اعتماد ہے۔ (ابوحنیفہ سوانح وافکار:۱۷۴)

مجموعۂ مسائل کی ترتیب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعۂ قوانین کی تدوین کے لئے جو ترتیب مقرر کی تھی، آج تک فقہ کی کتابیں اسی ترتیب کے ساتھ مرتب کی جارہی ہیں؛ آپ نے تدوین کا آغاز مسائلِ طہارت سے کیا، اس کے بعد عبادات کے ابواب مدون کرائے،

پہلے آپ نے نماز کے احکام میں ایک رسالہ جمع کرایا، اس کا نام کتاب العروس رکھا تھا، اس رسالے کی مقبولیت سے حوصلہ پا کر آپ نے مزید ابواب پر کام جاری رکھا۔

موفق احمد مکی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین کا کام کیا تو اس کو ابواب اور کتب پر مرتب فرمایا، پہلے طہارت پھر نماز، پھر پے در پے دیگر عبادات کے ابواب مرتب کیے، اس کے بعد معاملات کو ذکر کیا اور سب سے اخیر میں میراث کو ذکر کیا؛ سب سے پہلے طہارت اور نماز کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر مکلف آدمی ایمان کے بعد سب سے پہلے عبادات کا مخاطب ہوتا ہے اور عبادات میں نماز سب سے خاص اور وجوب کے اعتبار سے سب سے عام ہے، اس لئے نماز کو مقدم کیا؛ معاملات کو مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معاملات میں اصل عدم ہے، کیوں کہ اصل برأت ذمہ ہے؛ اور وصیت و میراث پر اس لئے ختم کیا کہ یہی انسان کے آخری احوال ہیں۔ (مناقب للموفق: ۱/۳۹۴، ابو حنیفہ سوانح و افکار: ۱۸۶)

فقہ حنفی کے مسائل کا پھیلاؤ:

امام صاحب کی زیر نگرانی جو قانون اسلامی اور فقہ حنفی مدون ہوا اس کے مسائل کی تعداد کے متعلق علامہ کردری فرماتے ہیں کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے؛ علامہ موفق بن احمد مکی نے بھی چھ لاکھ کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (المناقب للموفق)

مولانا مناظر احسن گیلانی کہتے ہیں کہ: اگر ان روایات کو مبالغہ آمیز بھی قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام صاحب کے وضع کردہ اصول وکلیات سے بعد میں فقہاء نے جن مسائل کا استنباط کیا ان کی تعداد لاکھوں میں ہے، چونکہ ان کی بنیاد

امام صاحب کے کلیات پر قائم تھی اس لئے انہیں بھی امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی: ۲۶۹)

محققین کی رائے یہ ہے کہ امام صاحب کی زیر نگرانی مدون ومرتب ہونے والا مجموعہ ۸۳ / ہزار دفعات پر مشتمل تھا، جس میں ۳۸ / ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے، باقی ۴۵ / ہزار مسائل کا تعلق معاملات وعقوبات سے تھا؛ اور جب امام صاحب کو بغداد کی جیل میں منتقل کیا گیا تب بھی تدوین فقہ کا سلسلہ جاری تھا، اور اضافے کے بعد اس دستوری خاکہ میں کل مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔

الغرض فقہ اسلامی کی تدوین وترتیب کا جو کام امام ابوحنیفہؒ کی زیر نگرانی انجام پایا، وہ ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا چلا گیا، کسی منزل پر جا کر رکا نہیں، اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا کیوں کہ انسانی ضرورتیں نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں، نئی ایجادات اور جدت پسندی کے ساتھ نئے مسائل ابھرتے رہے؛ اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت یوں ہی جاری رہے گا۔ ان تمام مسائل کے حل کا سہرا امام ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کے ہی سر جائے گا، اس لیے کہ فقہ کو مدون کرنے والے اور مسائل کو باب اور فصل وار مرتب کرنے والے پہلے شخص آپ ہی ہیں، اس سلسلے میں پوری امت مسلمہ تا قیامت آپ کی رہین منت رہے گی۔ حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

أنه أوّل من دون علم الفقه ورتبه أبوابا وكتبا على نحو ما عليه اليوم وتبعه مالك في مؤطاه۔
(الخیرات الحسان: ۳۱)

امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے اس طرح باب اور فصل وار مرتب کیا جس طرح آج اس کی مرتب شکل پائی جاتی ہے، اور امام مالکؒ نے اپنی ''مؤطا'' میں آپ ہی کے پیروی کی ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیات:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے فقہ حنفی کی خصوصیات پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: (۱) فقہ حنفی کے مسائل اسرار و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ (۲) فقہ حنفی پر عمل بہ نسبت تمام فقہوں کے آسان ہے۔ (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور متمدن ہیں۔ (۴) فقہ حنفی نے ذمیوں (وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں) کے حقوق نہایت فیاضی اور آزادی سے دیے ہیں، یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے یہاں نہیں ملتی۔ (۵) فقہ حنفی نصوص شرعیہ کے موافق ہے؛ یعنی جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے، ان میں امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً قوی اور مدلل ہوتا ہے۔ (سیرۃ النعمان: ۱۹۴)

(تیسرا باب)

امام ابوحنیفہ اور علم حدیث

امت کے ایک طبقے نے تو مستقل طور پر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ اور ان کی نقل وروایات کو اپنی زندگی کا اہم ترین مشغلہ بنایا، جو محدثین یا اصحاب الحدیث کے لقب سے مشہور ہوا؛ ایک دوسرا طبقہ حفظ وروایت کے ساتھ ساتھ ذخیرۂ احادیث سے مسائل اور احکام مستنبط کرنے میں منہمک ہوا، جو فقہاء یا اصحاب الرائے کے لقب سے جانا گیا؛ اسی طبقے کی مقدس ہستیوں میں امام صاحبؒ کی شخصیت بھی شامل ہے، جن کا مقام نہ صرف ایک فقیہ، محدث اور مجتہد مطلق کا ہے بلکہ آپ ملت اسلامیہ کے تینوں ائمۂ متبوعین کے امام بھی ہیں، اپنی فقاہت اور اصابت رائے میں مرجع محدثین ہیں۔

حافظ ابومحمد حارثیؒ امام ابو یوسف کا بیان نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''ہم لوگ امام ابوحنیفہ کی مجلس میں کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے تھے، جب آپ کوئی فیصلہ کر دیتے اور جملہ شرکاء کا اتفاق ہوجاتا تو میں کوفہ کے شیوخ حدیث کا چکر لگاتا، تاکہ کوئی حدیث آپ کے قول کی تائید میں لے آوں، چنانچہ تین چار حدیثیں لے آتا، آپ کچھ کو قبول کر لیتے اور کچھ کو یہ کہہ کر رد کر دیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے، حالانکہ وہ آپ کی تائید میں ہوتی تھی، میں پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم؟ تو ارشاد فرماتے ''**أنا أعلم بعلم الكوفة**'' کہ میں کوفہ کے علوم سے واقف تر ہوں''۔ (عقود الجمان: ۳۲۱، مقدمة أوجز المسالك: ۱۸٦)

غور کیجئے! ایک شخص کوفہ جیسی کثیر المحدثین جگہ کے متعلق دعوی کرتا ہے کہ اسے وہاں کے سارے شیوخِ حدیث کی ساری مرویات معلوم ہیں، نہ صرف معلوم بلکہ وہ ان میں کھرے کھوٹے کی بھی تمیز رکھتا ہے، پھراس دعوے کی صحت پر تجرباتی شواہد بھی موجود ہیں،توکیا ایسے شخص کے متعلق حدیث میں کم مائیگی کا شبہ بھی موزوں ہوگا؟ ہرگز نہیں؛ اوراس حقیقت کا اندازہ اس وقت ہوگا جب کوفہ کی علمی جامعیت اورعلم حدیث میں اس کی حیثیت بھی ملحوظ خاطر ہو۔ (حدیث اورفہم حدیث: ۴۸۴)

خود امام صاحب کے شاگرد نضر بن محمد مروزیؒ فرماتے ہیں: **لم أر رجلاً ألزم للأثر من أبي حنيفة** (الجوهر المضيئة للقرشي: ۲/ ۲۰۱) میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ حدیث کا پابند کسی شخص کونہیں دیکھا۔

یہ بات بھی متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے کہ امام صاحبؒ مجتہد ہیں، بلکہ اکابر مجتہد ہیں؛ اور متقدمین ومتأخرین ائمہ اصول کے نزدیک مجتہد اس کو کہا جاتا ہے جو قرآن، حدیث، آثار، تاریخ، لغت اور قیاس وغیرہ میں ماہر ہو؛ معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ حدیث میں بھی مہارت رکھتے تھے؛ کیوں کہ احادیث وآثار، اقوال صحابہ وتابعین اور ان کے اختلافات کو یاد کئے بغیر اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت کے بغیر اجتہاد کرنا ممکن ہی نہیں ہے؛ اس کے باوجود بھی آپ کوعلم حدیث سے ناواقف کہنا محض جہالت کی بات ہے۔ (مقدمہ أوجز المسالک: ۱۸۴، مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۱۱)

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فقہ حنفی کے سارے مسائل صحیح احادیث کے موافق ہیں، اور اس موضوع پر علماء نے باضابطہ کتابیں بھی لکھیں ہیں؛ سارے مسائل کا احادیث صحیحہ کے موافق ہونا خود اس بات کی شہادت ہے کہ امام صاحبؒ کوعلم حدیث میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔

امام صاحبؒ کی آراء محدثین اپنی کتابوں میں اہتمام سے ذکر کرتے ہیں، یہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فن حدیث میں خوب مہارت رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے طویل اسفار کر کے چار ہزار شیوخ سے احادیث لیں اور یہ سب آپ کے پاس محفوظ تھیں، یحی بن نصر کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے گھر ایک کمرے میں داخل ہوا، جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، تو میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: یہ سب احادیث ہیں، میں نے ان میں سے کچھ حصہ ہی لوگوں کو بیان کیا ہے، جو نفع بخش ہے۔

حافظ ابن حجر ہیثمی مکی فرماتے ہیں:

مر أنه أخذ عن أربعة آلاف شيخ من أئمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من المحدثين۔ (الخيرات الحسان ۲۸، مقدمه أوجز المسالك ۱۸۹)

امام ابو حنیفہؒ نے چار ہزار ائمہ تابعین اور دوسرے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، اور یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی وغیرہ نے محدثین کے طبقۂ حفاظ میں آپ کا شمار کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور روایت حدیث:

روایت حدیث کے دو طریقے ہیں (۱) محدث اپنی سند سے **"حدثنا فلان"** کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب حدیث کا انتساب کرے اور اپنے شیخ سے جس طرح سنا ہے بلفظہ یا اس کے ہم معنی الفاظ میں حدیث بیان کرے۔ (۲) حدیث کے الفاظ سے جو حکم یا مفہوم مستفاد ہوتا ہے اس کو مسئلے کی صورت میں بیان کرے، بایں طور کہ احساس نہ ہونے پائے کہ یہ حدیث رسول ہے۔

امام صاحب کی بیشتر مرویات نوع ثانی کے قبیل سے دکھائی دیتی ہیں، امام صاحبؒ سے منقول تمام ترفقہی مسائل جوآپ کی اورآپ کے تلامذہ کی تصنیفات میں موجود ہیں، چنداجتہادی مسائل کے علاوہ سب کسی نہ کسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہیں،خواہ وہ حدیث صحاح کی مشہور کتابوں میں ہو یا دیگر کتب حدیث میں؛اسی وجہ سے محمد بن سماعہ سے یہ منقول ہے کہ امام صاحبؒ نے اپنی تصنیفات میں ستر ہزار سے زائد حدیثیں ذکرفرمائی ہیں۔(مناقب موفق مکی:۱/۹۵)

دوسری طرف وقتی احوال اورطلبہ کے پیش نظرامام صاحب نے روایت حدیث کا پہلاطریقہ بھی اختیارفرمایاہے، چنانچہ بہ نفس نفیس احادیث کے ذخیرے سے چالیس ہزاراحادیث میں سے اپنی شرائط کے مطابق روایات منتخب فرماکر''کتاب الآثار'' کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیاہے،اورمسائل کی دلیل کےطور پرطلبہ کواپنی سند سے حدیثیں بھی سنائی ہیں،آپ کی بیان کردہ روایات کی بنیادی تقسیم یوں کی گئی ہے:

(۱) کتاب الآثار: یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف ہے، جوآپ کے کئی تلامذہ کے واسطے سے منقول ہے؛امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ درس جواحادیث بیان کی ہیں،انہیں شاگردوں نے''حدثنا''اور''اخبرنا''وغیرہ الفاظ کے ساتھ جمع کیا ہے، گویا آپ کے درسی افادات کا نام کتاب الآثار ہے، جودوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئی؛اس زمانے میں کتابوں کی تالیف بہت زیادہ عام نہیں تھی، یہ اُس دور کی پہلی کتاب ہے،جس نے بعدمیں آنے والے محدثین کے لئے ترتیب وتبویب کی راہ ہموارکی؛علامہ شبلی نعمانی نے کتاب الآثار کے متعددنسخوں کی نشان دہی فرمائی ہے، لیکن عام شہرت چارنسخوں کوحاصل ہے؛ (۱) کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد (۲) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف

(۴) کتاب الآثار بروایت امام زفر۔ ان میں بھی سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت امام محمدؒ کے روایت کردہ نسخے کو حاصل ہے۔

(۲) مسانید: ان مجموعوں کو کہا جاتا ہے جنہیں امام صاحب سے سلسلۂ تلمذ رکھنے والوں نے ترتیب دیا ہے، بعد میں آنے والوں نے انہیں چن چن کر اپنی طبیعت ومزاج کے مطابق ان میں مختلف ترتیبیں قائم کرلیں، اور ان مجموعوں کے لئے مسند کا نام تجویز کیا گیا۔ قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد خوازمیؒ نے ان تمام مسانید کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور اپنے خیال کے موافق کسی ایسی چیز کو جو امام صاحب کی مرویات سے تھی ترک نہیں کیا ہے، جس کا نام "**جامع المسانید للامام الاعظم**" ہے؛ آپ نے اس کے مقدمے میں مسانید اور ان کے مصنفین کے نام اور ان مصنفین تک اپنی سند مفصل بیان کی ہے، اور لکھا ہے کہ دمشق میں میں نے بعض جاہلوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی مسند نہیں ہے، یہ سننا تھا کہ مجھے دینی حمیت اور حنفی عصبیت نے جوش دلایا اور میں نے ارادہ کیا کہ امام ابوحنیفہ کی ان پندرہ مسانید کو جمع کروں گا جن کو کبار علمائے حدیث نے جمع کیا ہے۔ وہ پندرہ مسانید مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- مسند حارثی۔
۲- مسند طلحۃ العدل۔
۳- مسند ابن مظفر۔
۴- مسند ابی نعیم۔
۵- مسند بن عبدالباقی۔
۶- مسند ابن عدی۔

۷- مسند حسن بن زیاد لؤلؤی۔

۸- مسند قاضی اشنانی۔

۹- مسند ابوبکر احمد بن کلاعی۔

۱۰- مسند ابن خسرو بلخی۔

۱۱- مسند ابو یوسف۔

۱۲- مسند محمد بن حسن شیبانی۔

۱۳- مسند حماد بن ابی حنیفہ۔

۱۴- مسند ابن ابی العوام۔

۱۵- پندرہویں مسند جسے محمد بن حسن شیبانی نے ہی جمع کیا تھا، اس کا اکثر حصہ تابعین سے روایات پر مشتمل ہے، جس کا نام ''الآثار'' ہے۔ (بستان المحدثین اردو: ۷۳)

مسانید کے مجموعوں کی تعداد صاحب عقود الجمان نے سترہ بتائی ہے اور اپنی سند کے ساتھ ان کی نشان دہی بھی فرمائی ہے؛ لیکن ان میں کئی ایک ایسی ہیں جو کتاب الآثار ہی ہیں، مستقل مسند نہیں ہیں۔ اور ''مسانید الامام'' کے مؤلف نے اپنی تحقیق کے مطابق انیس مسانید کا تعارف کرایا ہے۔

(۳) اربعینات: یہ امام صاحب سے مروی چہل حدیث ہیں، جن کا سلسلہ علمائے امت میں عہد صحابہ سے رائج ہے؛ ہر زمانے میں علمائے امت نے اپنے ذوق ومزاج کے مطابق چہل حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے ہیں۔

(۴) وحدانیات: یہ روایات کا وہ مجموعہ ہے، جو امام صاحب نے ایک واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے؛ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام سے روایات لی ہیں۔ علامہ ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں:

ومن مناقبه وفضائله التي لم يشاركه فيها أحد بعده أنه روي عن أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم فإن العلماء اتفقوا على ذٰلک وإن اختلفوا في عددهم۔ (مقدمہ اعلاء السنن:۳/۸)

امام صاحب کے ان فضائل ومناقب میں سے جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں، یہ بھی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے روایات لی ہیں، علماء کا اس بات پر اتفاق ہے؛ اگرچہ ان روایات کی تعداد کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: **ذکر بعضهم أنه روي عن سبعة من الصحابة۔** (البدایہ والنہایہ: ۱۰/۷۷) امام صاحب نے سات صحابہ کرام سے روایات لی ہیں۔

ان روایات کے متعلق علامہ عبدالکریم بن عبدالصمد شافعیؒ نے ایک مستقل رسالہ ''**جزء ما رواه أبو حنيفة عن الصحابة**'' کے نام سے مرتب فرمایا ہے، جسے علامہ سیوطیؒ نے ''**تبييض الصحيفة**'' میں نقل کیا ہے۔ علامہ ابوالمکارم عبداللہ بن حسین نیشاپوری حنفیؒ نے بھی ان روایات کو ایک مستقل رسالے میں جمع فرمایا ہے، جس کا نام ہے ''**الأحاديث السبعة عن سبعة من الصحابة الذين روي عنهم الإمام أبو حنيفة**'' یہ رسالہ ''**الرسائل الثلاث الحديثية**'' میں بھی موجود ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی جو مسلک شافعی کے بہت بڑے عالم اور مسلک شافعی کے ترجمان ہیں، فرماتے ہیں کہ: بے شک اللہ تبارک وتعالی نے میرے اوپر یہ احسان فرمایا ہے کہ مجھے حضرت امام ابوحنیفہ کی تین مسانید کا مطالعہ کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی، اور ان سب کے مطالعے کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ صرف اعلی درجے کے تابعین اور خیر القرون کے ثقہ ترین راویوں سے حدیث

نقل فرماتے ہیں، جیسا کہ امام اسود بن یزید، علقمہ بن وقاص، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ بن عبداللہ مولی بن عباس، مجاہد بن جبر مکحول، حسن بصری وغیرہ اوران کے ہم پلہ رواۃ؛ اورامام ابوحنیفہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے بھی رواۃ اور رجال سند میں آئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی جھوٹا یا متہم بالکذب نہیں ہے۔ (مقدمه أوجز المسالک:۱۸۷)

امام ابوحنیفہ حافظ حدیث اور امام جرح وتعدیل:

شیخ محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے ''عقود الجمان'' میں اس موضوع پر ایک مستقل باب منعقد کیا ہے، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اہم ترین حفاظ حدیث میں سے ہیں؛ باب کا عنوان ہے: **الباب الثالث والعشرون في بیان کثرة حدیثه وکونه من أعیان حفاظ الحدیث۔ (عقود الجمان: ۳۱۹)**

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے مشہور محدث اسرائیل بن یونس کا قول نقل کرتے ہیں:

نعم الرجل نعمان ما کان احفظه لکلّ حدیث، فیه فقه، وأشدّ فحصه عنه، وأعلمه بما فیه من الفقه۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۰، عقود الجمان ۳۲۱، مقدمه أوجز المسالک ۱/۱۸۶)

اسرائیل بن یونس فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کیا خوب شخص ہیں! احکام کی حدیثیں کس قدر یاد رکھتے ہیں، ان کی تلاش وجستجو انہیں کس قدر رہتی ہے، نیز ان سے ثابت ہونے والے فقہی مسائل کی جانکاری ان کو کتنی زیادہ ہے! تعجب ہے۔

فن حدیث اور اسماء الرجال میں انفرادیت کے حامل علامہ شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب ''تذکرة الحفاظ'' میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے، پھر کتاب کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

هذه تذكرة باسماء معدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق والتضعيف والتصحيح و التزييف۔ (تذكرة الحفاظ ۱/۱)

یہ مختصر تذکرہ ہے ان حاملین علم نبوت کا جن کی عدالت مسلم ہے اور جن کے اجتہاد کی طرف راویوں کو ثقہ اور ضعیف گردانے نیز روایتوں میں کھرے کھوٹے کی تمیز کے سلسلے میں رجوع کیا جاتا ہے۔

علامہ ذہبی کے اس طرز عمل اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ فن جرح وتعدیل میں عظمت شان کے مالک ہیں۔

مشہور اور مستند مؤرخ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فن حدیث کا امام اور جرح وتعدیل کا ماہر ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ويدلّ على أنه من كبار المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم و التعويل عليه واعتباره ردًا وقبولا۔ (مقدمه تاريخ ابن خلدون: ۱/۵۶۲)

علم حدیث کے میدان میں امام صاحب کے کبار مجتہدین میں ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ کا مذہب ان کے درمیان معتمد سمجھا جاتا ہے، نیز روایتوں کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں آپ کی رائے معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے۔

حسن بن صالح کہتے ہیں:

أن أبا حنيفة كان شديد الفحص عن الناسخ والمنسوخ عارفا بحديث أهل الكوفة شديد الاتباع لما كان النّاس عليه حافظا لماوصل إليه أهل بلده۔
(مقدمہ أوجز المسالک: ۱۸۵، مقدمہ اعلاءالسنن: ۳/۱۲)

امام ابوحنیفہ ناسخ ومنسوخ کی اچھی طرح جانچ پرکھ کرنے والے تھے، اہل کوفہ کی احادیث کو جاننے والے تھے، اسی کی اتباع کرتے تھے جس پر لوگوں کا عمل ہوتا تھا، ان تمام احادیث کے حافظ تھے جو ان کے شہر والوں سے ان تک پہنچیں تھیں۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوفہ اس وقت علم کا مرکز تھا، کبار محدثین کی ایک بڑی جماعت وہاں موجود تھی۔

علامہ ابن قیمؒ نے "**اعلام الموقعين**" میں لکھا ہے کہ: یحی ابن آدم (جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں) فرماتے ہیں:

كان نعمان جمع حديث بلده كلّه فنظر إلى آخر ما قبض عليه النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم۔
(مقدمۃ اعلاءالسنن: ۳/۱۲)

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شہر (کوفہ) کی تمام احادیث کو جمع کیا تھا، پھر غور وفکر کے ذریعہ ان تک رسائی کی جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما رأيت أحدًا اقدمه على وكيع وكان يفتي برأي أبي حنيفة وكان يحفظ حديثه كله

میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو حضرت وکیع پر فوقیت دوں، اور حال یہ ہے کہ حضرت وکیع

وکان قد سمع من أبي حنيفة حديثًا كثيراً۔ (مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۱۲۱)

امام صاحب کی رائے پر فتوی دیتے تھے، ان سے سنی ہوئی تمام احادیث یاد رکھتے تھے، انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں۔

یحی ابن معین کا یہ کہنا کہ حضرت وکیع نے امام صاحبؒ سے بہت ساری حدیثیں سنی ہیں، اس بات پر بھی دلالت کر رہا ہے کہ امام صاحب کے پاس احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔

یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلاّ بما يحفظه ولا يحدّث بما لا يحفظ۔ (تهذيب التهذيب: ۸/۵۱۷)

امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ (قابل اعتماد) تھے، اور صرف وہی حدیثیں بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتیں اور جو حفظ نہ ہوتیں انہیں بیان نہیں کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی محدثیت پر چند مضبوط شہادتیں:

امام ابوحنیفہ کی محدثیت پر بڑی بڑی مضبوط شہادتیں موجود ہیں، بڑے بڑے علماء اور ائمہ نے آپ کو فقیہ ہونے کے ساتھ محدث بھی تسلیم کیا ہے؛ مسائل کے ایک بڑے ذخیرے کا احادیث کے موافق استنباط خود آپ کی محدثیت پر ایک مضبوط شہادت ہے؛ چند شہادتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مشہور محدث مسعر بن کدام (متوفی ۱۵۵ھ) جو امام ابوحنیفہ کے ہم عصر ہیں اور امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کے کبار اساتذہ میں ہیں، فرماتے ہیں:

طلبنا مع أبي حنيفة الحديث فغلبنا وأخذنا في الزهد فبرع علينا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔
(عقود الجمان: ۱۹۶، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۵۰)

طلب حدیث میں ہمارا ابوحنیفہ کے ساتھ رہنا ہوا تو وہ ہم پر غالب آ گئے، ہم نے زہد وتقوی اپنایا تو وہ اس میں بھی ہم پر فوقیت لے گئے، ہم نے ان کے ساتھ فقہ میں دلچسپی لی تو اس فن میں ان کے جو کچھ بھی کارنامے ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔

مکی بن ابراہیم (متوفی ۲۱۵ھ) جو امام بخاری کے جلیل القدر شیوخ میں سے ہیں، فرماتے ہیں: **أبو حنيفة كان أعلم أهل زمانه** (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۴۵، مقدمہ اوجز المسالک: ۱۸۴) ابوحنیفہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

واضح رہے کہ قرون اولی میں علم کا اطلاق علم قرآن اور علم حدیث پر ہی ہوتا تھا، اگر کسی کے متعلق یہ کہا جاتا کہ فلاں شخص عالم یا سب سے بڑا عالم ہے تو اس سے مراد اس شخص کی قرآن وحدیث پر گہری بصیرت اور ذخیرۂ احادیث سے واقفیت ہوتی تھی؛ جیسا کہ علامہ ذہبی نے (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۹۲) میں اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔ لہٰذا مکی ابن ابراہیم کے مذکورہ مقولے کا مقصد یہ ہوا کہ ابوحنیفہ اپنے وقت میں علم حدیث اور علم قرآن میں تمام علماء پر فائق تھے۔ (مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۹)

جلیل القدر محدث اور فقیہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) ایک مرتبہ امام صاحب کے احترام میں کھڑے ہو گئے، اس قدر احترام اور عزت افزائی کی وجہ پوچھی گئی؟ تو سفیان ثوریؒ نے فرمایا: **هٰذا رجل من العلم بمكان فإن لم اقم لعلمه قمت لسنه وإن لم اقم لسنه قمت لفقهه وإن لم اقم لفقهه قمت لورعه۔** (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۱، مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۱۲) یہ شخص علم (حدیث)

کے ایک بلند مرتبے پر فائز ہے، اگر میں اس کے علم کی وجہ سے تعظیماً نہ اٹھتا تو اس کی عمر کی وجہ سے اٹھتا، اگر عمر کے باعث بھی نہ اٹھتا تو اس کی فقاہت کے باعث اٹھتا، اور اگر اس کی فقاہت کی وجہ سے بھی نہ اٹھتا تو اس کے ورع وتقوی سے تو اٹھنا ہی پڑتا۔

یقینا سفیان ثوری کے مذکورہ قول میں علم سے مراد علم حدیث ہی ہے، کیونکہ آگے ان کی فقہی فضیلت کا تذکرہ خود ہی کر رہے ہیں۔(مقدمہ اعلاء السنن:۳/۱۳)

امام الجرح والتعدیل یحی بن معین فرماتے ہیں: **كان ثقة وكان من أهل الصدق ولم يتهم بالكذب۔** (البداية والنهاية:۱۰/۷۷) امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، اہل صدق میں سے ہیں اور متہم بالکذب نہیں ہیں۔

یحی بن معین یہ بھی فرماتے ہیں: **كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلاّ بما يحفظه ولا يحدث بما لا يحفظ۔** (تهذيب التهذيب:۸/۵۱۷) امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ (قابل اعتماد) تھے، اور صرف وہی حدیثیں بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتیں، اور جو حفظ نہ ہوتیں انہیں بیان نہیں کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: **ما رأيت أعلم بتفسير الحديث منه وكان أبصر بالحديث الصحيح مني۔** (مقدمه أوجز المسالك:۱۸۵) میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ احادیث کی وضاحت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا اور وہ احادیث صحیح میں مجھ سے بھی زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: **أوّل من اقعدني للحديث بالكوفة أبو حنيفة، قال هٰذا أعلم الناس بحديث عمرو بن دينار۔** (مقدمه أوجز المسالك:۱۸۵) سب سے پہلے مجھے جس نے حدیث کے لئے آمادہ کیا کوفہ میں، وہ امام ابوحنیفہ ہیں؛ اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ عمرو بن دینار کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

علم حدیث میں ممتاز مقام:

جس طرح فقہ میں امام صاحب کو امتیاز وتفوق اور اوّلیت ومرجعیت حاصل ہے، اسی طرح علم حدیث میں بھی آپ کو اوّلیت واسبقیت حاصل ہے؛ چنانچہ: (۱) علم فقہ کی طرح علم حدیث کی روایت ودرایت کے اصول سب سے پہلے آپ نے قائم کئے۔ (۲) اپنے دور کے محدثین میں آپ کو سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ (۳) اصول استنباط بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کیے۔ (۴) احادیث کو فقہ کی ترتیب پر سب سے پہلے آپ نے جمع کیا۔ (۵) آپ کی سند سب سے عالی ہے، آپ کی سندوں میں وحدانیات، ثنائیات اور ثلاثیات بھی ہیں؛ جبکہ امام بخاری علیہ الرحمہ کے پاس صرف ثلاثیات ہیں، اور بخاری کی اکیس ثلاثیات میں سے ۱۶/ ثلاثیات امام صاحب کے شاگردوں سے ہی مروی ہیں، گیارہ حدیثیں مکی بن ابراہیم سے اور پانچ حدیثیں ضحاک بن مخلد سے مروی ہیں۔ (۶) علم حدیث میں سب سے پہلی تصنیف آپ کی ''کتاب الآثار'' ہے اور فقہی ترتیب پر یہ پہلی کتاب ہے؛ امام مالکؒ نے بھی مؤطا کی ترتیب میں کتاب الآثار سے استفادہ کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن مناقب أبي حنیفة اللّتي انفرد بها أنه أوّل من دون علم الشریعة ورتّبه أبوابًا ثم تبعه مالک بن أنس في ترتیب المؤطا۔ (تبییض الصحیفة)

امام صاحب کے منفرد مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے علم حدیث کو ابواب فقہیّہ پر مرتب کیا، پھر امام مالکؒ نے مؤطا کی ترتیب میں آپ کی اتباع کی ہے؛ (آپ سے پہلے کسی نے یہ قدم نہیں اٹھایا)

مختصر یہ کہ امام صاحب علم حدیث میں بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں اور علم حدیث کے روشن مینار ہیں، جس کی ضیا بار کرنوں سے پورے عالم نے روشنی حاصل کی؛ آپ جس طرح فقہ میں امامت واجتہاد کے اعلی مرتبے پر فائز تھے، حدیث میں بھی اپنے بعد والوں کے لئے قدوہ اور نمونہ تھے؛ امام صاحب کے محدثین اساتذہ اور تلامذہ کی طویل فہرست، روایت حدیث میں مضبوط شرائط، جرح وتعدیل میں آپ کے قول پر اعتماد، فن حدیث میں ابواب کی ترتیب پر آپ کی فائق تصنیف، آپ کی مسانید کی محدثین کے یہاں اہمیت اور روایت حدیث کے ساتھ درایت حدیث میں آپ کی امتیازی حیثیت کو دیکھ کر بلا خوف وتردد نہایت وثوق واعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ''امام المحدثین'' ہیں۔ (امام ابوحنیفہ سوانح وافکار: ۱۵۵۔ امام اعظم امام المحدثین: ۷۱)

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ:

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے، اس لیے کہ جس زمانے میں احادیث کے مجموعے نہیں پائے جاتے تھے، بغیر علم حدیث کے اتنے سارے مسائل کا استخراج کہاں سے ہوسکتا تھا؟ فقہ حنفی کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ جس سے پوری دنیا مستفاد ہو رہی ہے، بغیر احادیث کے کہاں سے آ گیا؟ اور سارے مسائل اور اصول وفروع کس طرح احادیث کے مطابق ہوگئے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، اور امام صاحب اور آپ کے اصحاب فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی تھے۔ حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

مرّ أنه أخذ عن أربعة آلاف شيخ　　　　امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار ائمہ

من أئمة التابعين وغيرهم ومن ثم ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من المحدثين۔ (الخيرات الحسان٦٨، أوجز المسالك ١/١٨٩)	تابعین اور دوسرے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، اور یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی وغیرہ نے محدثین کے طبقۂ حفاظ میں آپ کا شمار کیا ہے۔

امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کا ذوق حدیث خود ان کی کتابوں کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الحجة على اهل المدينة، کتاب الردّ على سير الاوزاعی، مؤطا امام محمد وغیرہ سے معلوم ہوجاتا ہے۔

امام ابویوسفؒ کے بارے میں ابن معین فرماتے ہیں: اصحاب رائے میں ابویوسفؒ سے زیادہ حدیثوں کا عالم اور ان سے زیادہ ثقہ کوئی شخص نہیں تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ١/٢٧٠)

قاضی ابوعبداللہ صمیری اپنے استاذ عبداللہ بن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ہم امام اعمش کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کچھ مسائل دریافت کئے گئے، تو امام اعمش نے ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ کی ان مسائل میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے اپنی رائیں ظاہر فرمادیں؛ امام اعمش نے پوچھا کہ دلیل کیا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: آپ نے ہم سے بواسطہ ابوصالح ابوہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی جس سے میں نے فلاں نتیجہ اخذ کیا، آپ نے بواسطہ ابووائل حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ حدیث بیان کی جس سے میں نے فلاں مسئلے پر استدلال کیا، آپ نے بواسطہ ابومجلز حضرت حذیفہ سے یہ روایت کی جو فلاں مسئلہ کی دلیل بنی؛ غرض امام ابوحنیفہؒ نے بہت سی احادیث امام اعمش ہی کی بیان کردہ ان کے سامنے پیش کردیں؛ امام اعمش نے فرمایا: ضرورت بھر تمہارے پاس احادیث کا ذخیرہ موجود ہے، جو روایتیں میں نے تم سے سو دنوں میں بیان کیں، تم نے

وہ بیک وقت مجھ سے بیان کردیں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کروگے؛ پھر فرمایا: اے فقیہو! تمہاری مثال طبیبوں کی سی ہے، جو دواؤں کے ڈھیر سے مریض کے حال کے مناسب نسخہ تجویز کرتے ہیں، اور ہماری حیثیت صرف دوافروش کی ہے، **و أنت أيُها الرجل أخذت كلا الطرفين**، اورتم اے شخص! دونوں میں مقام رکھتے ہو۔ (حدیثوں کا ذخیرہ بھی رکھتے ہو اور ان سے استدلال کا طریقہ بھی جانتے ہو، یعنی محدث بھی ہو اور فقیہ بھی ہو)۔ (مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۱۴، عقود الجمان: ۳۲۱، فضائل أبي حنيفة: ۱۰۲)

خدمتِ حدیث نمایاں نہ ہونے کی وجہ:

امام ابوحنیفہ کی خدمتِ حدیث کا وصف زیادہ نمایاں نہیں ہوا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر مکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: جس طرح صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے باوجود جلالت علم اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقربیت کے احادیث کا وہ ذخیرہ مروی نہیں ہے جو دوسرے چھوٹے بڑے صحابہ کرام سے مروی ہے، کیوں کہ یہ حضرات عامۃ المسلمین اور اسلام کے مصالح اور احکام میں اس طرح منہمک تھے کہ ان کو روایت کی طرف وہ توجہ نہ رہی جو دوسرے صحابہ کرام کو تھی؛ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہ حضرات احادیث سے شغف نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب فقہ کی ترتیب اور استنباط واستخراج مسائل کے اشتغال کی وجہ سے اگر احادیث کی روایت میں نمایاں نظر نہیں آتے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انہوں نے علم حدیث سے وافر حصہ نہیں پایا تھا۔ فرماتے ہیں:

ولأجل اشتغاله بهذا الأهم لم يظهر حديثه في الخارج كما أن أبا بكر وعمر لما اشتغلا لمصالح المسلمين العامة لم يظهر عنهما من رواية الأحاديث مثل ما ظهر عمن دونها حتى صغار الصحابة رضوان الله عليهم وكذلك مالك والشافعي لم يظهر عنهما مثل ما ظهر عمن تفرغ للرواية كأبي زرعة وابن معين لاشتغالهما بذلك الاستنباط۔ (الخيرات الحسان:٦٦، مقدمه أوجز المسالك:۱۸۹)

امام ابوحنیفہؒ چونکہ قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط اور استخراج میں منہمک تھے جو بڑا اہم کام تھا اس وجہ سے آپ کی خدمت حدیث نمایاں نہ ہوسکی، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ مصالح عامہ سے متعلقہ امور میں اشتغال کی وجہ سے روایت حدیث میں اس نمایاں مقام کو نہیں پہونچے جو دوسرے چھوٹے بڑے صحابہ کرام کو حاصل رہا اور یہی حال امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان کی خدمت حدیث بھی ان لوگوں کی طرح نمایاں نہیں ہے جو اسی کام کے ہو کر رہ گئے تھے، جیسے ابوزرعہ اور ابن معین۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ: بعض متعصبین یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو علم حدیث میں ید طولی حاصل نہیں تھا، اسی وجہ سے ان سے بہت کم روایات مروی ہیں؛ اکابر ائمہ کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد رکھنا بالکل غلط ہے، امام صاحبؒ سے روایات کم مروی ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ روایت اور تحمل کے شرائط کے سلسلے میں بہت سخت تھے، اسی وجہ سے آپ سے کم روایات مروی ہیں؛ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ! آپ نے جان بوجھ کر احادیث کی روایت کو چھوڑا ہے۔ (مقدمہ

أوجز المسالک:۱۹۰)

معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کو علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل تھا؛ البتہ بعض معقول وجوہات کی بنا پر ان حضرات کی خدمت حدیث زیادہ نمایاں نہ ہو سکی۔

(چوتھا باب)

امام ابوحنیفہ کبار مجتہدین کی نظر میں

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا علمی مقام ومرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس کے لیے کسی کی تائید اور توثیق کی ضرورت نہیں رہ جاتی؛ بڑے بڑے ائمہ، فقہاء اور محدثین نے آپ کے علمی مقام ومرتبے کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کی عظمت شان کو بیان کیا ہے؛ تاہم چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

عبداللہ ابن مبارک جوخود فقیہ اور مجتہد ہیں، فرماتے ہیں:

أفقه النَّاس أبو حنيفة ما رأيت في الفقه مثله وقال أيضا لو لا ان اللّٰہ تعالى أغاثني بابي حنيفة وسفيان كنت كسائر النَّاس۔ (تهذيب التهذيب:۸/۵۱۷، البداية والنهاية: ۱۰/۷۷)

ابو حنیفہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے، میں نے روئے زمین پر ان جیسا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا؛ اگر میں امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کی صحبت میں نہ رہا ہوتا تو میرا شمار ایک عام آدمی کی طرح ہوتا۔

ربیع بن سلیمان اور حرملہ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: النَّاس عيالٌ في الفقه على أبي حنيفة۔ (تهذيب التهذيب:۸/۵۱۷، مرقاة: ۱/۲۸، الأعلام: ۸/۳٦) فقہ اور تفقہ میں سارے فقہاء اور مجتہدین امام ابوحنیفہؒ کی عیال ہیں۔

عبداللہ ابن داؤد حریبی فرماتے ہیں: ينبغي للناس أن يدعوا في صلاتهم

لأبي حنيفة لحفظه الفقه والسنن عليهم۔ (البداية والنهاية:۱۰/۷۷، مقدمة اعلاء السنن:۳/۹) لوگوں پر ضروری ہے کہ اپنی اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعائیں کیا کریں، اس لیے کہ انہوں نے فقہ اور حدیث کو یاد کر کے تفقہ اور استنباط کی ایک بہترین راہ لوگوں کے لئے کھول دی ہے۔

امام سفیان ثوری اور عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: **کان أبو حنیفة أفقه أهل الأرض في زمانه۔** (البداية والنهاية:۱۰/۷۷) امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانے میں روئے زمین پر سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام ابونعیم فرماتے ہیں: **کان أبو حنیفة صاحب غوص في المسائل۔** (البداية والنهاية: ۱۰/۷۷، تهذيب التهذيب:۸/۵۱۷) مسائل کی گہرائی میں امام ابوحنیفہ کی جو نظر تھی وہاں تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔

مکی ابن ابراہیم فرماتے ہیں: **کان اعلم أهل الأرض۔** (البداية والنهاية: ۱۰/۷۷) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم ابوحنیفہ تھے۔

ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے پوچھا: کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا بھی ہے اور ان کے استدلالوں کا طریقہ بھی دیکھا ہے، ان کے دلائل کا حال یہ ہے کہ اگر ابوحنیفہؒ اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو ان کے دلائل سے یہ ستون سونا بن کر کھڑا ہو جائے گا۔ (البداية والنهاية:۱۰/۷۷۔ الاعلام:۸/۳٦)

امام شافعیؒ رفع یدین کا اہتمام کرتے تھے اور فجر میں قنوت پڑھنے کو لازم قرار دیتے تھے؛ لیکن جب امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ کی قبر کی زیارت کے لیے بغداد پہونچے اور وہاں ۲/ رکعت نماز پڑھی تو آپ نے رفع یدین نہیں فرمایا اور فجر کی نماز میں قنوت

بھی نہیں پڑھی؛ لوگوں کے پوچھنے پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: اس امام اعظم کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں اپنی رائے ظاہر کروں، یہ انتہائی بے ادبی ہوگی، اس لیے میرے لیے مناسب یہی ہے کہ ان کے علاقے میں رہتے ہوئے ان کے مسلک کے مطابق ہی نماز پڑھوں۔ (مرقاة المفاتيح: ۱/۳۰، مقدمة أوجز المسالک: ۱۹۹)

یحی بن معین فرماتے ہیں:

وقد كان يحي بن سعيد يختار قوله في الفتوى وكان يحي يقول لا نكذب الله ما سمعنا أحسن من رأى أبي حنيفة وقد أخذنا بأكثر أقواله۔ (البداية والنهاية: ۱۰/۷۷، تهذيب التهذيب: ۸/۵۱۷)

یحی بن سعید القطان فتوی دیتے وقت امام صاحب کے قول کو اختیار فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے ہیں، ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ اچھی رائے کسی کی نہیں سنی، اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **أنه من أهل الورع والزهد وإيثار الآخرة بمحلّ لا يدركه أحد۔** (مقدمة أوجز المسالک: ۱۷۹) امام ابوحنیفہ متقی، پرہیزگار اور زاہد تھے، آخرت کو ترجیح دینے والے تھے، ان کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

نضر بن شمیل فرماتے ہیں: **كان النَّاس نياما عن الفقه حتى أيقظهم أبو حنيفة۔** (مقدمة أوجز المسالک: ۱۷۹) لوگ فقہ سے بے خبر تھے یہاں تک کہ ان کو امام ابوحنیفہ نے فقہ سے آشنا کیا۔

خطیب بغدادی نے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے: **من أراد أن يخرج من ذل العمى والجهل ويجد حلاوة الفقه فلينظر في كتبه۔** (مقدمة أوجز المسالک:

۱۷۹) جوشخص جہالت اور اندھیرے کی ذلت سے نکلنا چاہتا ہے اور فقہ کی حلاوت پانا چاہتا ہے تو اسے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

ما رأيت عيني مثله ومن أراد المغازي فالمدينة أو المناسک فمكة أو الفقه فالكوفة ويلزم أصحاب أبي حنيفة۔ (مقدمة أوجز المسالک:۱۷۸)

میری آنکھ نے امام ابوحنیفہ جیسا کوئی نہیں دیکھا؛ جوشخص غزوات کا علم حاصل کرنا چاہے تو اہل مدینہ سے حاصل کرے، جوشخص حج کے مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے، اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے تو اہل کوفہ سے حاصل کرے اور امام صاحب کے ساتھیوں کو لازم پکڑے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: **من لم ينظر في كتبه لم يتبحر في العلم ولا يتفقه۔** (مقدمة أوجز المسالک:۱۷۸) جوشخص امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرے گا، اس کو تبحر علمی اور تفقہ حاصل نہیں ہوگا۔

عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں: میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ امام صاحب کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں:

واللّٰہ ما رأيت أحدًا يتكلّم في الفقه أبلغ ولا أصبر ولا أحضر جوابا منک وإنّک لسيد من تكلّم في الفقه في وقتک غير مدافع وما يتكلمون فيک إلا حسدًا۔ (مقدمة أوجز المسالک ۱۹۴ اعلاءالسنن ۸/۳)

اللہ کی قسم میں نے فقہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو، اور بے شک آپ فقہاء کے سردار ہیں، اور آپ کے سلسلے میں سوائے حاسد کے کوئی کلام نہیں کرسکتا۔

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: **کان النعمان بن ثابت فهما من أفقه أهل زمانه۔** (فضائل أبي حنيفة: ۸۱) امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سمجھ دار لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھ دار تھے۔

احمد بن حرب نیشاپوری فرماتے ہیں: **کان أبو حنيفة في العلماء كالخليفة في الأمراء۔** (فضائل أبي حنيفة: ۸۵) علماء میں امام ابوحنیفہ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے امرا میں خلیفہ کی۔

ائمہ اربعہ میں امام صاحب کی حیثیت

ائمہ اربعہ جن کے مذاہب دنیا بھر میں رائج ومشہور ہیں، ان میں امام صاحب اپنے علم وفضل کے اعتبار سے مقدم ہیں؛ کیوں کہ ایک طرف آپ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو بقیہ تینوں اماموں کو نہیں، اور تابعین کا درجہ صحابہ کرام کے بعد امت میں سب سے بڑھا ہوا ہے؛ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

الحاصل أن التابعين أفضل الأمة بعد الصحابة ۔۔۔ فنعتقد أن الإمام الأعظم والهمام الأقدم أبو حنيفة أفضل الأئمة المجتهدين وأكمل الفقهاء في علوم الدين ثم الإمام مالک فإنه من اتباع التابعين ثم الإمام الشافعي لكونه

حاصل یہ ہے کہ تابعین کا درجہ صحابہ کرام کے بعد امت میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔۔۔ اسی وجہ سے ہمارا اعتقاد ہے کہ امام اعظم، ہمام اقدام ابوحنیفہ کا مرتبہ ائمہ مجتہدین میں سب سے اونچا ہے، اور فقہائے علوم دینیہ میں آپ سب سے بلند واکمل ہیں؛ آپ کے بعد امام مالک کا درجہ ہے جو تبع تابعین کی صف

تلميذ الإمام مالک بل تلميذ الإمام محمد ثم الإمام أحمد بن حنبل فإنه كالتلميذ للشافعي۔ (شرح الفقه الأكبر:۷۰۲)

میں ہیں، پھر امام شافعی کا ہے کیوں کہ آپ امام مالک بلکہ امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، پھر امام احمد کا درجہ ہے جو کہ امام شافعی کے شاگرد کے درجے میں ہیں۔

دوسری طرف بقیہ تینوں امام بالواسطہ یا بلا واسطہ امام صاحب کے فیض یافتہ ہیں؛ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الا ان من اشتهرت مذاهبهم، هم أربعة أبوحنيفة الكوفي ومالک وأحمد والشافعي وأوّلهم الأوّل ويعاصره الثاني وقيل: قد روي الأوّل شيئا عن الثاني وقيل: بل الثاني تلميذ للأوّل والثالث تلميذ للرابع والرابع تلميذ للثاني ولبعض تلامذة الأوّل۔ (مقدمة الفوائد البهية ٦)

وہ ائمہ جن کے مذاہب نے شہرت حاصل کی۔۔۔ چار ہیں، امام ابوحنیفہ کوفی، امام مالک، امام احمد، امام شافعی؛ ان چاروں میں امام ابوحنیفہ مقدم ہیں اور امام مالک ابوحنیفہ ہی کے ہم عصر ہیں؛ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام مالک سے روایت کی ہے اور بعض نے کہا کہ امام مالک ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، اور امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور امام شافعی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے بعض تلامذہ کے شاگرد ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بقیہ تینوں امام، امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں؛ امام مالک بلا واسطہ شاگرد ہیں، امام احمد اور امام شافعیؒ بالواسطہ شاگرد ہیں؛ اور استاذ کا درجہ شاگردوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مقام ومرتبہ ائمہ اربعہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ تابعین کی صف میں

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تابعی اس کو کہا جاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی بھی صحابی کو دیکھا ہو یا ملاقات کی ہو یا صحبت حاصل کی ہو۔

امام صاحبؒ کو تابعی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، بعض روایات کے مطابق جس زمانے میں آپ کوفہ میں پیدا ہوئے اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام وہاں موجود تھے اور بعض صحابہ کرام سے آپ کی ملاقات ثابت ہے؛ مؤرخین نے آپ کے پیدا ہونے کے زمانے میں موجود صحابہ کرام کی تعداد بیس بتائی ہے۔ خطیب بغدادی، علامہ قسطلانی، علامہ یافعی، ابن حجر عسقلانی، دارقطنی، ابن حجر مکی، علامہ ذہبی، علامہ سیوطی، ملا علی قاری، علامہ جزری، علامہ تورپشتی اور علامہ ابن الجوزی جیسے جبال علم اور ائمہ حدیث وفقہ امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں۔

حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: **أما روایته عن أنس وأدراکه لجماعة من الصحابة بالسن فصحیحان لا شک فیهما۔** (الخیرات الحسان:۲۵، مقدمة أوجز المسالک:۱۸۳) امام ابوحنیفہ کا حضرت انس سے روایت کرنا اور صحابہ کی ایک جماعت کا زمانہ پانا، دونوں باتیں صحیح ہیں؛ جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أنه أدرک جماعة من الصحابة کانوا بالکوفة بعد مولده بها سنة ثمانین ولم یثبت ذلک

امام ابوحنیفہؒ نے ان صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا تھا جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد کوفہ میں موجود

لاحد من ائمة الأمصار المعاصرين له كالأوزاعي بالشام والحمادين بالبصرة والثوري بالكوفة ومالک بالمدينة الشريفة واللّيث بن سعد بمصر (ردالمحتار: ١/١٦ مقدمہأوجز المسالک ١٨٢/١)

تھی، اسی وجہ سے آپ کا شمار تابعین میں ہے؛ اور یہ شرف ایسا ہے جو آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے، جیسے شام میں امام اوزاعی، بصرہ میں حماد، کوفہ میں امام ثوری، مدینہ میں امام مالک اور مصر میں لیث بن سعد؛ ان میں سے کسی کو بھی تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے طبقات حنفیہ میں لکھا ہے: **قد ثبت رؤيته بعض الصحابة۔** (مقدمةأوجز المسالک: ۱۸۳۔ مقدمۃ اعلاء السنن: ۳/۴) امام ابوحنیفہؒ کا بعض صحابہ کرام کی زیارت کرنا ثابت ہے۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں: **ويندرج الإمام الأعظم في سلک التابعين فإنه قد رأى أنسا وغيره من الصحابة۔** (مقدمةأوجز المسالک: ۱۸۳) امام ابوحنیفہ بھی تابعین کی لڑی میں شامل ہیں؛ کیوں کہ آپ نے حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔

محمد بن اسحاق المعروف بابن ندیم فرماتے ہیں: **وكان من التابعين لقى عدة من الصحابة وكان من الورعين الزاهدين** (الفہرست ۲۴۲ ص) امام ابوحنیفہ تابعین میں سے تھے، انہوں نے متعدد صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے، اور وہ پرہیزگار اور متقی لوگوں میں سے تھے۔

امام ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں: **قال ابو عمر: ذكر محمد بن سعد كاتب الواقدى ان اباحنيفة رأى انس بن مالک وعبدالله بن حارث بن جزء**

(جامع بیان العلم وفضله ۵۴) ابوعمر کہتے ہیں کہ محمد بن سعد کاتب واقدی نے ذکر کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہ نے حضرت انس اور عبداللہ بن حارث بن جزء کو دیکھا ہے۔

علامہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں: **رأی انس بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیھم الکوفۃ** (تذکرۃ الحفاظ ۱۲۶/۱) امام صاحب نے حضرت انس کی کئی مرتبہ زیارت کی، جب حضرت انس کوفہ تشریف لاتے۔

شافعی محدث امام یافعی فرماتے ہیں: **رأی انسا** (مرآۃ الجنان ۳۱۰/۱) امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔

ابن عماد حنبلی فرماتے ہیں: **رأی انسا وغیرہ** (شذرات الذھب ۳۷۲/۱) امام صاحب نے حضرت انس اور دوسرے صحابہ کو دیکھا ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: **لانه ادرک عصر الصحابۃ ورأی انس بن مالک** (البدایۃ والنھایۃ ۵۲۷) امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور انس بن مالک کو دیکھا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: **ابن ابی اوفی اسمه عبداللہ۔۔۔ وھو احد من رآہ ابو حنیفۃ من الصحابۃ** (عمدۃ القاری ۵۰۵) امام ابوحنیفہ نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کو دیکھا ہے۔

بعض علماء کے مطابق امام ابوحنیفہ نے آٹھ صحابہ کرام اور بعض کے مطابق دس صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے؛ جن کے نام یہ ہیں: انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفی، سہل بن سعد، ابوطفیل، عبداللہ بن انیس، عبداللہ بن جزعہ زبیدی، جابر بن عبد اللہ، عائشہ بنت عجرد واثلہ بن اسقع۔

غرض یہ کہ امام صاحبؒ کی شرف تابعیت متفق علیہ ہے، جس سے انکار کی گنجائش

نہیں ہے؛اور بقول اکابر ائمہ حدیث جو شخص امام صاحبؒ کی تابعیت سے انکار کرتا ہے وہ تتبع قاصر اور تعصب میں مبتلا ہے،امام صاحب نے اپنے زمانے میں کوفہ کا کوئی صحابی اور تابعی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات اور کسب فیض نہ کیا ہو۔ (مقدمة اعلاء السنن:۸/۳)

(پانچواں باب)

امام ابوحنیفہ اور تصوف

اخلاق کی پاکیزگی، باطن کی اصلاح، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی فکر، اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کرنا، اپنی زندگی کو زہد وتقوی سے آراستہ کر کے رذائل سے پاک وصاف کرنا اور تمام عبادات میں صفات حسن پیدا کر کے منکرات سے نفرت کرنے کا نام تصوف ہے؛ اور یہی تصوف کی روح اور حقیقت ہے۔ تصوف نے مستقل علم وفن کی حیثیت بعد کے دور میں حاصل کی ہے، یہی وجہ ہے کہ متعارف تصوف اور اس کا نام قرن اولی میں نہیں ملتا ہے، حدیث وآثار میں بھی اس کی اصطلاحات کا تذکرہ نہیں ہے، تصوف کی اصطلاحات بعد میں رائج ہوئی ہیں، عہد صحابہ میں تصوف کی روح اور حقیقت یعنی زہد وتقوی، انابت الی اللہ، عاجزی وانکساری وغیرہ روحانی اور باطنی صفات تو پائی جاتی تھیں، لیکن لفظ تصوف اور اس کی اصطلاحات کا استعمال عہد صحابہ میں نہیں تھا؛ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

إنَّ هٰذا التعبير من الزاهد بالصوفي حدث في اثناء المأة الثانية لأن لباس الصوف كان يكثر في الزهاد، ومن قال إنه نسبة إلى الصفة اللَّتي نسب إليها كثير من الصحابة ويقال فيهم أهل الصفة أو نسبة الصفا

زاہد کو صوفی کہنا یہ دوسری صدی کے درمیان سے ہے، اس لئے کہ موٹے کپڑے زاہدوں میں زیادہ مستعمل ہوتے تھے، اور جس نے یہ کہا کہ یہ صفہ کی طرف منسوب ہے جس کی طرف بہت سے صحابہ منسوب ہیں

او الصف الأوّل أو صوفة من مروان بن اوبن طانجة أو صوفة القضا فهي أقوال ضعيفة۔ (جلاء العينين: ٦٢)	اور ان کو اہل صفہ کہا جاتا ہے، یا یہ صفا یا صف اول یا صوفہ بن مروان بن اوبن طانجہ یا صوفۃ القضا کی طرف منسوب ہے، تو یہ سب اقوال ضعیف ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ آگے فرماتے ہیں: سب سے پہلے صوفی کا نام ابو ہاشم کوفی کو حاصل ہوا، یہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور اپنی زیادہ زندگی شام میں گذاری، ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی؛ اور سب سے پہلے تصوف کے نظریات کی تعریف اور شرح ذو النون مصری نے کی، جو امام مالک کے شاگرد ہیں؛ اور سب سے پہلے جنید بغدادی نے تصوف کو جمع کرنے اور پھیلانے کا کام کیا۔ (جلاء العینین في محاکمۃ الأحمدین ٦٢)

معلوم ہوا کہ تصوف کی روح اور اس کی حقیقت تو عہد صحابہ و تابعین میں موجود تھی، لیکن لفظ تصوف اور اس کی اصطلاحات کا استعمال بعد کے ادوار میں رائج ہوا ہے؛ لہٰذا امام صاحب کے لئے تصوف اور صوفی کا لفظ تلاش کرنا ایک عبث اور غیر ضروری عمل کہلائے گا؛ البتہ امام صاحب کی زندگی تصوف کی روح اور حقیقت سے متصف تھی، اور آپ میں تصوف و سلوک کی تمام صفات جمع تھیں؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں: متعارف سلوک تو صحابہ اور تابعین کے دور میں نہیں تھا، البتہ اصل ہر چیز کی وہاں ملتی ہے؛ اس لیے امام صاحب کا سلوک بھی اسی نوع کا تھا جو نوع اس زمانے میں متعارف تھی؛ سلوک کے اہم اجزا ورع، خشوع، انابت الی اللہ، تجرد عن الخلق، تبتل الی اللہ، کثرت عبادت، کثرت ریاضت، یہ سب اجزا امام صاحب کی سوانح میں بکثرت ملیں گے۔ (مکتوب حضرت شیخ الحدیث: ۲۷۶، امام ابوحنیفہ سوانح وافکار: ۹۲)

تصوف میں امام صاحب کا مقام ومرتبہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ محدث اور فقہ کے عظیم امام ہونے کے ساتھ طریقت وتصوف میں بھی بلند مقام ومرتبہ رکھتے تھے؛ لیکن آپ نے روایت حدیث اور سلوک وطریقت کی ظاہری ترویج کے بجائے فقہ کو اصل مقصد بنایا، اور اپنی ساری زندگی امت مسلمہ کی بھلائی کی خاطر وقف کر کے فقہ حنفی کی شکل میں اسلامی قانون کا ایک بیش قیمت مجموعہ امت کو دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے عارف ربانی شیخ نصر اللہ شیرازی مہاجر مکی کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو معارف اور حقائق شیخ ابو یزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی کو حاصل تھے وہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کو بھی حاصل تھے، شریعت اور اس کے احکام کا علم اس کے علاوہ تھا؛ ان کا مقصد یہ تھا کہ فقہ کے ائمہ فقہ اور تصوف دونوں کے ساتھ متصف اور دونوں کے جامع تھے، اور انصاف یہ ہے کہ ائمہ تصوف بھی دونوں کے جامع تھے، فرق غالب اور مغلوب کا تھا (ائمہ فقہ پر فقہ کا اور ائمہ تصوف پر تصوف کا غلبہ تھا)۔ (سیدنا امام اعظم: ۱۲۵)

شریک نخعی کا بیان ہے: ابوحنیفہ کی طویل خاموشی، دائمی فکر اور لوگوں سے کم کلام کرنا یہ سب علم باطن اور دین کے اہم امور میں مشغولی کی واضح علامات ہیں؛ اور یہ کہ جس کو خاموشی اور زہد دیا گیا اس کو کل کا کل علم دے دیا گیا۔ (امام اعظم ابوحنیفہ، حالات کمالات، ملفوظات: ۹۴)

شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں: اور انہی بزرگوں میں امام جہاں، مقتدائے خلق، زینت وشرفِ فقہاء، باعث شان علماء حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاربھی

شامل تھے؛ عبادت ومجاہدے میں انتہائی ثابت قدم تھے اور طریقت کے اصولوں میں شانِ عظیم کے مالک تھے؛ ابتدائے حال میں گوشہ نشینی کا ارادہ رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ تمام مخلوق سے کنارہ کش رہیں، یوں کہ گویا ان کے درمیان میں ہیں ہی نہیں؛ کیوں کہ ان کا دل امارت اور جاہ وحشم سے پاک ہو چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو شائستہ درگاہ الٰہی بنا چکے تھے۔(کشف المحجوب:۳۰۲)

حضرت فریدالدین اولیاؒ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں تصوف میں امام صاحب کے بلند مقام ومرتبے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: عارف، عامل، صوفی، فقیہ، محدث، عالم دنیا ابوحنیفہ کوفی کے ریاضات ومجاہدات اور ان کے مشاہدات کی انتہا نہ تھی؛ شریعت وطریقت میں نظر غائر رکھتے تھے، باطن میں صاحب بصیرت تھے، امام ہمام جعفر صادق کے مرید خاص اور فیض یاب تھے؛ ابوحنیفہ کے مرید فضیل بن عیاض، ابراہیم، بشر حافی اور داؤد طائی جیسے اقطاب تھے۔(تذکرۃ الاولیاء:۱۸)

امام ابوحنیفہ تصوف کے بھی امام اعظم تھے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جس طرح حدیث وفقہ میں امامت کے منصب جلیل پر فائز تھے، اسی طرح طریقت وتصوف میں بھی اپنے ہم عصروں میں امام اعظم تھے؛ امام صاحب کے بعض شاگردوں نے بھی طریقت میں خوب شہرت حاصل کی تھی، داؤد طائی نے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کا علم بھی امام صاحب سے حاصل کیا تھا اور وہ امام صاحب کے خلیفہ اور مجاز بھی تھے؛ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ: استاذ ابوالقاسم القشیری باوجود اپنے مذہب (شافعی) میں سخت ہونے اور طریقت میں پیش پیش ہونے کے اپنے رسالے میں فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ ابوعلی دقاق سے سنا،

وہ فرماتے تھے کہ میں نے طریقت کو حضرت ابو القاسم نصر آبادی سے حاصل کیا اور ابوالقاسم فرماتے تھے کہ میں نے حضرت شبلی سے حاصل کیا اور انہوں نے سری سقطی سے اخذ کیا تھا، انہوں نے معروف کرخی سے، انہوں نے حضرت داؤد طائی سے اور انہوں نے علم شریعت وطریقت دونوں امام اعظم ابوحنیفہ سے حاصل کیا تھا۔ (در مختار مع الشامی: ۱/۱۲۱ زکریا)

حضرت شبلی اور ان کے پیر حضرت سری سقطی کی بزرگی اور طریقت کا اعلی ترین درجہ سب کو معلوم ہے، جن حضرات سے ان کو یہ درجے حاصل ہوئے، خیال کیجئے! وہ کس مقام پر فائز ہوں گے؟ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب علم ظاہر و باطن میں اعظم ترین تھے، بہت سے معروف اولیاء اللہ آپ کے متبع ہوئے ہیں، اگر ان حضرات اولیاء اللہ کو کسی بھی بات میں ذرا سا بھی شبہ پیش آتا تو وہ کبھی بھی امام صاحب کا اتباع نہ کرتے، نہ اقتدا کرتے اور نہ موافقت کرتے۔ (در مختار)

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کے اخلاص، صداقت و دیانت، عبادت وریاضت اور زہد و تقوی کے باعث اللہ تعالی نے آپ کو تصوف وطریقت میں بھی بلند مقام عطا کیا تھا اور امامت واجتہاد کے مقام پر فائز فرمایا تھا۔

(چھٹاباب)

امام ابوحنیفہ کا ذریعۂ معاش اور اقتصادی وسائل

علمائے دین نے کبھی بھی علم دین کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا اور نہ ہی اس سے کسی قسم کا دنیاوی مفاد حاصل کیا، بلکہ دینی خدمت کے طور پر تعلیم و تعلم، تحدیث وروایت، تفقہ وافتاء اور رشد وہدایت کے کام کے ساتھ معاش ومعیشت کے لئے ذاتی کاروبار کرتے تھے؛ عبرت پذیری کے لئے ان کے نام ونسب کے ساتھ ان کے پیشوں کی نسبت بھی بیان کی جاتی ہے، متقدمین ائمہ دین کے ناموں کے ساتھ بزار (پارچہ فروش) خزار (ریشم فروش) زیات (روغن فروش) سمان (سمن فروش) وغیرہ کی نسبت عام طور پر کتابوں میں ملتی ہے۔

امام صاحب خزار (ریشم فروش) تھے، اور یہ آپ کا خاندانی پیشہ تھا؛ تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایک متمول خاندان میں آنکھیں کھولی تھیں، آپ کے باپ دادا تاجر تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تجارت انہی سے ورثے میں پائی تھی، آپ نے شروع شروع میں صرف تجارت کا شغل رکھا اور علماء سے کوئی سروکار نہیں تھا، حتی کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب وتحریض سے آپ تحصیل علم کے لئے آمادہ ہوئے؛ لیکن کیا پھر تجارت یکسر چھوڑ دی تھی یا نہیں؟ سب روایت کنندگان اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ تادم آخر تاجر رہے؛ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک شریکِ تجارت بھی تھا، ظاہر ہے کہ یہ طلب علم، خدمت فقہ اور روایت حدیث میں بھی آپ کا معاون رہا ہوگا، کیوں کہ سیرت نگار آپ کے تاجر ہونے کے

ساتھ ساتھ خادم فقہ و دین ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں، اور یہ ایک امانت دار شریک کی موجودگی میں ہی ممکن ہے، جو آپ کو بازار کی آمد و رفت کی زحمت سے بچالے؛ آپ تجارتی معاملات وحالات سے نہ صرف باخبر بلکہ اس کی سرپرستی کرتے اور گاہے تجارتی معاملات میں عملی طور سے شریک بھی ہوجاتے، علم وتجارت میں حصہ لینے والے علماء کا یہی دستور و معمول رہا ہے۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کے یہاں ریشم بنانے اور ریشمی کپڑے تیار کرنے کا بہت بڑا کارخانہ بھی تھا، جس میں بہت سے مزدور اور کاری گر کام کرتے تھے؛ علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

وكان من أذكياء بني آدم جمع الفقه والعبادة والورع والسخاء وكان لايقبل جوائز الدولة بل ينفق ويوثر من كسبه، له دار كبيرة لعمل الخز وعنده صناع واجراء۔ (العبر في خبر من غبر: ۱/ ۲۱۴)

ابوحنیفہ ذہین ترین انسانوں میں سے تھے، انہوں نے فقہ، عبادت، پرہیزگاری اور سخاوت کو اپنی ذات میں جمع کیا تھا، اور حکومت کے عطیے قبول نہیں کرتے تھے؛ بلکہ خود اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرتے تھے، اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، آپ کے یہاں ریشم کا ایک بڑا کارخانہ تھا، جس میں بہت سے مزدور اور کاری گر کام کرتے تھے۔

اسی طرح روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کی ریشمی کپڑوں کی ایک بہت بڑی دوکان بھی تھی، جس میں کارخانے کے تیار شدہ ریشمی کپڑے فروخت ہوتے تھے، اور یہ دوکان کوفہ میں جامع مسجد اور دارالامارت کے پاس حضرت عمرو بن حریث مخزومیؓ کے عظیم الشان اور بابرکت مکان میں تھی، جس کی شہرت عام تھی؛ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

و كان أبو حنيفة خزاز ا و دكانه معروف في دار عمرو بن حريث بالكوفة۔
(تاریخ بغداد: ۱۳/۳۲۵) ابوحنیفہ ریشم فروش تھے، اوران کی دکان مشہور تھی، جو کوفہ میں حضرت عمرو بن حریث کے مکان میں تھی۔

امام صاحب کی تاجرانہ خصوصیات:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں بہت سی تاجرانہ خصوصیات کے ساتھ چار ممتاز تجارتی اوصاف پائے جاتے تھے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک اونچے درجے کے عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک مثالی تاجر بھی تھے۔

(۱) آپ دل کے بہت غنی تھے، حرص کبھی آپ پر غالب نہ آسکا۔

(۲) آپ بڑے امین تھے، اور امانتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں کبھی اپنے نفس کا لحاظ نہ کرتے تھے۔

(۳) بہت زیادہ فیاض وسخی تھے، بخل وامساک کی بیماری سے محفوظ تھے۔

(۴) نہایت متدین، عابد، شب زندہ دار، صائم النہار اور قائم اللیل تھے۔

یہ اوصاف مجموعی طور پر آپ کے تجارتی معاملات پر اثر انداز ہوئے، اور آپ ایک منفرد قسم کے تاجر قرار پائے؛ بہت سے لوگ آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا تاجر سمجھتے تھے، گویا شبیہِ صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور انہیں کے ہموار کردہ تجارتی مسلک ومنہج کے پیروکار تھے؛ آپ تجارتی اشیا خریدتے وقت بھی فروخت کی طرح امانت ودیانت کا لحاظ رکھتے تھے؛ ایک مرتبہ ایک عورت ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے لائی، آپ نے قیمت پوچھی؟ وہ بولی: ایک سو؛ آپ نے فرمایا کہ: کپڑا زیادہ قیمت کا ہے، وہ قیمت میں اضافہ کرتے کرتے چار سو تک پہنچ گئ، آپ نے فرمایا:

قیمت ابھی بھی کم ہے؛ وہ بولی: آپ مذاق اڑاتے ہیں؛ آپ نے فرمایا: بھاؤ کرنے کے لئے کسی آدمی کو لاؤ، چنانچہ وہ ایک آدمی کو لائی تو آپ نے وہ کپڑا پانچ سو میں خرید لیا۔ (الخیرات الحسان: ۴۴)

اندازہ لگایئے! کہ خریدار ہونے کے باوجود آپ بیچنے والے کا کس قدر مفاد پیش نظر رکھ رہے ہیں، اس کی غفلت سے ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے، بلکہ اس کی مناسب رہنمائی فرمارہے ہیں؛ آپ ایسے شفیق بائع تھے کہ جب خریدار کمزور ہوتا یا اس کے ساتھ دوستانہ مراسم ہوتے یا وہ چیز خالص منافع میں آئی ہوتی تو اپنا نفع چھوڑ دیتے۔

ایک مرتبہ ایک عورت آئی، کہنے لگی کہ: میں کمزور ہوں اور یہ رقم میرے پاس ایک امانت ہے، آپ یہ کپڑا مجھے اصلی قیمت میں دے دیں اور نفع نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: چار درہم میں لے لو؛ وہ بولی: بوڑھی عورت کا مذاق نہ بناؤ؛ آپ نے فرمایا: یہ مذاق نہیں حقیقت ہے، میں نے دو کپڑے خریدے تھے، ایک فروخت کر کے اصلی قیمت وصول کر لی، صرف چار درہم باقی ہیں، اب یہ کپڑا مجھے چار درہم میں پڑتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک دوست آیا اور ایک خاص قسم کے ریشمی کپڑے کا مطالبہ کیا، اس کا رنگ و وصف بھی بتایا، آپ نے فرمایا: انتظار کیجئے! کہ میں خرید لوں؛ ابھی جمعہ بھی نہ آنے پایا تھا کہ وہ کپڑا مل گیا، وہ دوست اُدھر سے گذرا تو آپ نے فرمایا کہ: آپ کی ضرورت پوری ہوگئی، اور وہ کپڑا نکال کر دیا؛ اس نے پوچھا: قیمت کیا ہوگی، فرمایا: صرف ایک درہم، وہ کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ آپ بھی میرا مذاق اڑا سکتے ہیں؛ فرمایا: مذاق نہیں حقیقت ہے، میں نے دو کپڑے بیس دینار اور ایک درہم میں لیے تھے، ایک فروخت کر کے بیس دینار وصول کر لئے، اور دوسرا کپڑا صرف ایک درہم میں رہ گیا۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۶۲)

اب اسے عطیہ آمیز معاملہ کہیے یا خرید وفروخت کی صورت میں ایک عطیہ! تجارت تو ہے نہیں، مگر اس سے ایک عظیم تاجر کی عقل وامانت، دین ووفا اور وسعت قلب کا خوب خوب اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح جس کام میں ذرا سا بھی گناہ کا شبہ ہوتا تو اس سے شدید اجتناب کرتے، خواہ یہ شبہ کتنا ہی بعید ہو؛ اگر کسی مال میں گناہ کا تصور کرتے تو اس کو محتاج وفقیر لوگوں میں تقسیم کردیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے شریک حفص بن عبدالرحمن کو کچھ سامان فروخت کرنے کے لئے بھیجا اور کہا کہ: کپڑے میں عیب ہے، فروخت کے وقت خریدار کو بتادینا؛ حفص نے کپڑا بیچ دیا اور عیب بتانا بھول گئے، یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ خریدار کون ہے؟ جب امام صاحب کو پتہ چلا تو آپ نے سامان کی سب قیمت صدقہ کردی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۵۸)

امام صاحب کے تجارتی معاملات کے تعلق سے اس طرح کے سینکڑوں واقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، جن سے آپ کی تجارتی خصوصیات وامتیازات کا پتہ چلتا ہے، اور آپ کا ایک مثالی تاجر ہونا واضح ہوتا ہے۔

تجارتی آمدنی کا مصرف:

امام صاحب مال ودولت کی حرص وہوس سے کوسوں دور تھے، آپ اپنے مال اور تجارتی آمدنی سے علماء، مشائخ، فقرا اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے؛ بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ: آپ اپنی آمدنی کے تین حصے کرتے تھے، ایک حصہ علماء ومشائخ اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے، ایک حصہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے اور ایک حصہ بغرض وسعت اپنی تجارت میں شامل

کرتے۔موفق احمد مکی نے امام صاحب کی سوانح میں لکھا ہے کہ: ہر سال مخصوص رقم کا سامان کوفہ سے بغداد بھیجتے اور بغداد سے چیزیں منگوا کر کوفہ میں فروخت کراتے، اس لین دین سے جو آمدنی ہوتی پہلے اس سے کوفہ کے محدثین کے کھانے پینے اور پہننے کا سامان خرید کر ان کے پاس بھیجتے، اس کے بعد سرمایہ اور منافع کی جو رقم بچ جاتی اسے بھی انہی لوگوں میں یہ کہتے ہوئے تقسیم فرمادیتے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کیجیے اور شکر و تعریف خدا کے سوا کسی کی نہ کیجیے، میں نے کچھ نہیں دیا، بلکہ آپ لوگوں کے متعلق مجھ پر خدا کا فضل ہوا اور آپ ہی لوگوں کے نام سرمایہ کا یہ منافع ہے۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق: ۱/۲۴۱)

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے ایک خاص سرمایہ علماء و مشائخ کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ علماء و مشائخ پر خرچ کرتے تھے؛ اسی لیے فرماتے تھے کہ ''یہ آپ کے سرمایہ کے منافع ہیں''۔ علماء و مشائخ کا احترام آپ کے یہاں بہت زیادہ تھا، حتی کہ اپنے اہل و عیال پر بھی علماء و مشائخ کو ترجیح دیتے تھے۔ مسعر کدام سے منقول ہے کہ: امام صاحب کا عام دستور یہ تھا کہ اپنے بال بچوں کے لئے جب کوئی چیز خریدتے تو مشائخ اور علماء کے لئے بھی وہ چیز ضرور خریدتے، خود اپنے لیے جب کپڑا بنواتے تو علماء کے لئے بھی جوڑا تیار کراتے، اسی طرح جس قسم کے میوے اور پھلوں کا موسم آتا تو جو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے خریدتے وہی علماء و مشائخ کے لیے بھی خرید کر بھیجتے؛ علماء و مشائخ کے لیے جو چیزیں خریدتے اس میں اس کا لحاظ فرماتے کہ اچھی سے اچھی اور عمدہ قسم کی ہوں، لیکن خود اپنے یا اپنے اہل و عیال کی خریداری میں عموماً لا پرواہی اور تساہل سے کام لیتے۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق: ۱/۲۴۰)

آپ اپنے شناسا احباب کو خوش پوشی اور اپنے مظہر و منظر کو عمدہ رکھنے کی تلقین فرماتے اور اپنی طرف سے خوب امداد فرماتے تھے؛ مروی ہے کہ آپ نے ایک ساتھی کو بوسیدہ لباس میں ملبوس دیکھا، جب وہ چلنے لگا تو ذرا بیٹھنے کے لئے کہا، جب لوگ چلے گئے اور وہ تنہا رہ گیا تو فرمایا: جانماز اٹھایئے اور جو اس کے نیچے رکھا ہے، لے لیجیے؛ تعمیل ارشاد کرنے پر اس نے دیکھا کہ وہاں ایک ہزار درہم رکھے ہیں، فرمایا: یہ دراہم لے لو اور ان سے اپنی حالت درست کرو۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۶۱)

تقوی و پرہیزگاری اور حلال پر قانع رہنے کے باوجود آپ کو تجارت سے جو بھی مالی فوائد حاصل ہوتے اس میں سے زیادہ تر مشائخ ومحدثین پر خرچ کرتے تھے؛ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ: آپ سال بھر کا نفع جمع کرتے اور اس سے مشائخ ومحدثین کے لیے خوراک، لباس اور تمام ضروریات خرید لیتے؛ جو باقی بچتا وہ بھی انہیں دے دیتے، اور کہتے کہ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کر لیجیے اور خدا کا شکر بجا لایئے؛ کیوں کہ میں نے آپ کو اپنی جیب سے کچھ نہیں دیا، یہ صرف عنایتِ ربانی ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۲۶)

گویا آپ کا زیادہ تر تجارتی نفع علماء ومشائخ کے وقار کے تحفظ، ان کی حاجات وضروریات کی کفالت اور علم دین کو لوگوں کے عطیہ جات سے بے نیاز کرنے کے لیے صرف ہوتا تھا۔

(ساتواں باب)

علمی نقوش

امام ابوحنیفہؒ ایک آفتابِ عالم تاب شخصیت تھے، جن کی ضیا بار کرنوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک عالم کے چپے چپے کو منور کیا، مشہور مؤرخ ابن ندیم کی زبان میں آپ کا علمی فیض اس طرح عام ہے: **العلم برا وبحرا شرقا وغربا بُعْدًا وقُرْبًا تدوينه رضي الله عنه** (الفهرست لابن نديم: ۹۹) خشکی، تری، مشرق ومغرب، دور اور قریب ہر جگہ علم کی تدوین واشاعت میں آپ ہی کا کرشمہ نظر آتا ہے۔

تدوین فقہ آپ کا ایک ایسا علمی تجدیدی کارنامہ ہے، جو ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گا، پوری امت مسلمہ اس سلسلے میں آپ کی رہین منت ہے؛ علاوہ ازیں آپ کے حلقۂ درس سے استفادہ کرنے والے طالبان علوم نبوت کی تعداد ہزاروں میں ہے، علامہ کردری نے آٹھ سو فقہا ومحدثین اور صوفیا ومشائخ کو آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ (مسانيد الإمام: ۳۰) علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں "**حدث عنه خلق كثير**" لکھنے کے بعد تقریباً سو ممتاز تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۳)

شاگردوں کی لمبی قطار پر جب نگاہ ڈالی جاتی ہے تو امام ابو یوسف، امام محمد، وکیع بن جراح، امام زفر، یحيٰ بن سعید القطان، عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری جیسے اساطین علم حدیث وفقہ اور ائمہ جرح وتعدیل نظر آتے ہیں؛ امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی کی شخصیت سے کون ناواقف ہے؟ یہ علوم ابو حنیفہ کے امین اور ان کے مکتب فقہی کے علم بردار ہیں، یہ آپ کی ایسی خوش بخت علمی اولاد ہیں جنہوں نے چہار دانگ

عالم میں آپ کا نام روشن کیا ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ایک دوسرے کے محسن ہیں، اگر امام ابوحنیفہ نے ان جوہروں کو مسلسل مشق وممارست اور محنت وجانفشانی کے ساتھ ذہن ومزاج کی خصوصی تربیت کر کے کتاب وسنت کا رمز شناس بنایا ہے تو ان حضرات نے آپ کے افکار عالیہ اور فقہی اصول وضوابط کی تفہیم وتشریح اور تدوین واشاعت کے ذریعہ قیامت تک کے لئے آپ کو زندہ وجاوید بنادیا ہے۔ ہم اپنی کم علمی کے باعث آپ کے ان تمام عظیم المرتبت شاگردوں کی مکمل تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہیں، تاہم ان میں جو حفاظ حدیث ہیں اور کتب صحاح ومسانید میں مدار اسناد کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی مختصر فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

کوفہ کے بعض تلامذہ:

مسعر بن کدام، ابونعیم فضل بن دکین (جو امام بخاری کے کبار اساتذہ میں ہیں)، یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، علی بن مسہر، عیسی بن یونس سبیعی، حماد بن ابی حنیفہ۔

بصری تلامذہ:

ابوعاصم ضحاک بن مخلد النبیل، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، یزید بن زریع، عبد الوارث بن سعید، محمد بن جعفر (جو غندر کے لقب سے جانے جاتے ہیں)، بشر بن مفضل، جریر بن حازم۔

مکی تلامذہ:

مسلم بن خالد (جو امام شافعیؒ کے استاذ ہیں)، عبداللہ بن زبیر حمیدی، سفیان بن عیینہ کوفی ثم المکی۔

مدنی تلامذہ:

امام دارالہجرت مالک بن انس (جو آپ کے استاذ بھی ہیں اور شاگرد بھی ہیں)، امام المغازی محمد بن اسحاق، مشہور مؤرخ وحافظ محمد بن عمر واقدی۔

دیگر مقامات کے تلامذہ:

دیگر مقامات کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں لیث بن سعد مصری، مکی بن ابراہیم بلخی، اسماعیل بن عیاش شامی، یزید بن ہارون واسطی کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

امام صاحب کی تصانیف:

امام صاحب کے ہزاروں طلبہ اور لاکھوں فیض یافتگان ہی آپ کی چلتی پھرتی تصانیف ہیں؛ کثرت مصروفیات کے باوجود آپ نے کئی ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں؛ علامہ کوثری نے بلوغ الامانی کے حاشیے میں گیارہ مصنفات کی تصریح فرمائی ہے:

كتاب الرأى، كتاب اختلاف الصحابة، كتاب الجامع، كتاب السير، الكتاب الأوسط، الفقه الأكبر، الفقه الأبسط، كتاب العالم والمتعلم، كتاب الردّ على القدرية، رسالة الإمام إلى عثمان البتي في الإرجاء، مكاتيب وصايا۔

(آٹھواں باب)

امام ابو حنیفہ کے چند اخلاق فاضلہ

علم کا سب سے بڑا اثر آدمی کی عملی زندگی پر مرتب ہونا چاہیے، اگر علم وعمل میں مطابقت ہے تو انسان کامل ہے اور اگر قول وعمل میں تضاد ہے تو محض علم سے آدمی کو فلاح نصیب نہیں ہوسکتی۔ جب ہم امام صاحبؒ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ علم وعمل کے جامع اور اخلاق نبوت کے پیکر تھے؛ چنانچہ روایات میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ عالم، عابد، زاہد، صاحب ورع وتقوی، کثیر الخشوع، دائم التضرع، خوش سیرت، خوش صورت، بڑے کریم، مددگار اور سخی تھے۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان: ۵/۴۱۳، مقدمہ أوجز المسالک: ۱۸۱)

ورع وتقوی:

امام صاحبؒ کا ورع وتقوی ضرب المثل ہے، آپ کے تمام معاصرین نے کھلے الفاظ میں آپ کے متقی ہونے کی گواہی دی ہے؛ نضر بن محمد کہتے ہیں کہ: میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار شخص کسی کو نہیں دیکھا، آپ کو ہنسی مذاق پسند نہیں تھی، اور میں نے کبھی آپ کو ٹھٹھے مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، البتہ آپ مسکراتے تھے۔

(مقدمۃ أوجز المسالک: ۱/۷۷)

عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں: جب میں کوفہ آیا تو میں نے لوگوں سے پوچھا کہ

یہاں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ابوحنیفہ ہیں۔ (فضائل ابوحنیفہ:۵۵)

یزید بن ہارون کہتے ہیں: میں تقریباً ہزار فقہاء سے ملا اور میں نے ان میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار پانچ لوگوں کو پایا، ان میں سب سے پہلے ابوحنیفہ ہیں۔ (فضائل ابو حنیفه:۵٦)

ابراہیم بن عکرمہ مخزومی فرماتے ہیں: میں نے لوگوں میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ صاحب ورع اور زاہد کسی کو نہیں دیکھا۔ (مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۹)

شقیق بلخی فرماتے ہیں: لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور عبادت گذار امام ابوحنیفہ تھے۔ (مقدمۃ أوجز المسالک: ۳/۹)

حلم و بردباری:

امام صاحب کی مقبولیت اور بے مثل محبوبیت میں حلم و بردباری کا بھی کافی بڑا دخل ہے؛ آپ میں تواضع وانکساری اور حلم و بردباری بہت زیادہ تھی، گویا آپ ''من تواضع لله رفعه اللهؐ'' کی عملی تفسیر تھے، اگر آپ کو کوئی برا بھلا کہتا یا اعتراض کرتا تو آپ نہ غصہ ہوتے اور نہ بدلہ لینے کے درپے ہوتے؛ آپ خود فرماتے ہیں کہ: میں نے کبھی کسی کی برائی پر بدلہ نہیں لیا، نہ میں نے کسی کو گالی دی، نہ میں نے کبھی کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ خیانت کی اور نہ دھوکہ دیا۔ (عقود الجمان:۲۸۸)

ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے فرمایا کہ: امام ابوحنیفہؒ غیبت وغیرہ سے کس قدر دور تھے! میں نے کبھی آپ کو کسی دشمن وغیرہ کی بھی غیبت کرتے

ہوئے نہیں سنا۔ (مقدمۃ أوجز المسالک: ۱۸۱)

جعفر بن ربیع کہتے ہیں: میں امام صاحبؒ کے ساتھ پانچ سال رہا، میں نے آپ سے زیادہ محتاط زبان والا شخص کسی کو نہیں دیکھا، آپ زیادہ تر خاموش رہتے، لیکن جب کوئی فقہی مسئلہ معلوم کیا جاتا تو آپ کا دریائے علم جوش میں آجاتا، آپ کی آواز بلند اور لہجہ عمدہ تھا۔ (مقدمہ أوجز المسالک: ۱/۱۷۷)

یزید بن ہارون کہتے ہیں: میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ حلیم و بردبار کسی کو نہیں دیکھا۔ (فضائل ابی حنیفہ: ۶۵)

جود وسخا:

حسن بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے زیادہ سخی آدمی کسی کو نہیں دیکھا، انہوں نے اپنے شاگردوں کی ہر ایک جماعت کا ماہانہ وظیفہ اپنی طرف سے مقرر کر رکھا تھا اور سالانہ تحفے وتحائف کا معمول اس کے علاوہ تھا۔ (عقود الجمان: ۲۳)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ اپنے سب پہچان کے لوگوں پر نہایت خرچ کرنے والے تھے، کبھی آپ کسی کو پچاس دینار دیتے، پھر اگر وہ لوگوں کے سامنے شکریہ ادا کرتا تو آپ کو سخت افسوس ہوتا اور آپ فرماتے کہ بھائی! اللہ کا شکر ادا کرو، یہ رزق آپ کے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ (عقود الجمان: ۲۳۵)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میرے استاذ امام ابوحنیفہ نے میرے اور میرے گھر والوں کا مکمل خرچ دس سال تک اپنے پاس سے ادا فرمایا ہے، اور میں نے آپ سے زیادہ نیک صفات کا جامع کوئی شخص نہیں دیکھا

ہے۔(عقود الجمان:۲۳۵)

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن عیینہ قرض کی وجہ سے قید ہوگئے، امام ابوحنیفہؒ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کا سارا قرضہ جو چار ہزار درہم سے زیادہ تھا اپنی طرف سے ادا کر کے انہیں قید سے رہائی دلائی۔(العلم والعلماء:۳۰۶)

مسعر بن کدام سے روایت ہے: امام ابوحنیفہؒ کا دستور تھا کہ جب بھی اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ خریدتے تو اتنا ہی دیگر علمائے عظام کے لئے بھی خریدتے، جب کپڑا بناتے تو پہلے علماء ومشائخ کے لئے انتظام فرماتے، حتی کہ اگر پھل وغیرہ خریدنے ہوتے تو پہلے مشائخ کے یہاں خرید کر بھجواتے، پھر اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے خریدتے تھے۔(عقود الجمان:۲۳۴، فضائل أبي حنيفة:۵۰)

کثرت عبادت:

انابت الی اللہ کے بغیر آدمی کا مرتبۂ کمال تک پہونچنا ناممکن ہے، اسی بنا پر سلف صالحین کی زندگیوں میں تمام تر علمی مصروفیات کے باوجود کثرتِ عبادت اور اوراد واذکار کا اہتمام نمایاں نظر آتا ہے؛ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے تو ناقابل یقین حالات وواقعات آپ کی سیرت میں مذکور ہیں، چنانچہ یحیی بن ایوب زاہد کہتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ رات کو سوتے نہیں تھے، حفص بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے تیس سال تک ہر رات ایک قرآن کریم پڑھنے کا معمول بنایا؛ اسی طرح بکثرت روزے رکھنے کا معمول بھی آپ سے منقول ہے۔(فضائل ابی حنیفہ)

عبداللہ بن اسیر کہتے ہیں: جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو امام ابوحنیفہ پوری طرح اپنے آپ کو تلاوتِ قرآن کریم کے لئے فارغ فرمالیتے اور اخیر عشرے میں تو

عام بول چال بھی آپ پر گراں ہوتی تھی؛ اسی طرح متعدد روایات میں ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ (مقدمۃ أوجز المسالک ۱۸۰)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ امام صاحبؒ کے ہم راہ چل رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: **هذا أبو حنيفة لا ينام اللّيل**، یہ شخص ابوحنیفہ ہیں، جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں، سوتے نہیں ہیں؛ اس شخص کی یہ آواز سن کر امام صاحبؒ فرمانے لگے کہ آپ سنتے نہیں؟ اللہ تعالی نے ہمارے متعلق لوگوں میں کیسی کیسی باتیں پھیلا دی ہیں، اور یہ کس قدر بری بات ہوگی کہ خود ہماری زندگی میں اس کے برعکس اعمال پائے جائیں؛ پھر فرمانے لگے کہ واللہ! یہ لوگ میرے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہہ رہے ہیں جو واقعۃً میرا معمول نہ ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ واقعہ بھی یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ تمام رات اللہ کی عبادت، دعا، تضرع وابتہال اور ذکر اللہ میں گذارتے تھے۔
(تذکرۃ الحفاظ: ۱۶۹، عقود الجمان: ۲۱۳، تہذیب التہذیب: ۸/۵۱۷)

محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں: **ومن ثم يسمى الوتد من كثرة قيامه باللّيل** (عقود الجمان: ۲۱۱) شب بیداری اور مسلسل قیام لیل کی وجہ سے لوگ امام ابوحنیفہ کو وتد (میخ) بھی کہتے ہیں۔

نوٹ: جن روایات میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۰ یا ۴۰ رسال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا منقول ہے، وہ بظاہر اکثر اور غالب پر محمول ہیں؛ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ امام صاحبؒ کبھی آرام ہی نہیں فرماتے تھے، اس لیے کہ خود بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ گرمی کے زمانے میں ظہر اور عصر کے درمیان آرام فرماتے تھے اور سردیوں کے زمانے میں رات کے شروع حصے میں آرام فرماتے

تھے؛ جیسا کہ علامہ ذہبی علیہ الرحمہ نے امام صاحبؒ کی بعض گھر کی عورتوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ (عقود الجمان:۲۱۹)

خوف وخشیت:

امام اعظم ابوحنیفہؒ پر ہمہ وقت اللہ تبارک وتعالی کا خوف وخشیت غالب رہتا تھا، خاص کر تنہائی میں عبادت کرتے وقت گریہ وبکا کی وہ کیفیت ہوتی تھی کہ سننے اور دیکھنے والوں کو ترس آجاتا تھا، رات میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر تک سنائی دیتی تھی۔ یحیٰ بن سعید کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم نے امام ابوحنیفہ کی مجالست ومصاحبت اختیار کی، جب میں آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا تو فوراً مجھے احساس ہوجاتا تھا کہ وہ اللہ رب العزت سے ڈرنے والے ہیں۔ (عقود الجمان: ۲۲۴)

یحیٰ بن نصر کہتے ہیں: میرے والد صاحب امام ابوحنیفہ کے دوست تھے، جس کی بنا پر میں کبھی کبھی امام صاحب کے یہاں رات میں سوجاتا تھا، تو میں دیکھتا کہ امام ابوحنیفہ پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور میں چٹائی پر ان کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح سنا کرتا تھا گویا کہ بارش ہورہی ہو۔ (عقود الجمان: ۲۳۰)

حسن بن صالح بن حیی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ اللہ تبارک وتعالی سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ (فضائل أبي حنيفة: ٦٢)

تلامذہ کے ساتھ مشفقانہ سلوک:

شیخ ابوزہرہ مصری کہتے ہیں: امام صاحب اپنے تلامذہ کے سلسلے میں تین باتوں کا خاص خیال رکھتے تھے: (۱) تلامذہ کی مالی امداد کرتے اور گردش ایام میں ان کا ساتھ

دیتے تھے،جس کو شادی کی ضرورت ہوتی اور اس کے پاس مالی وسائل نہ ہوتے تو آپ اس کی شادی کرادیتے؛غرض ہر شاگرد کی ضروریات کی کفالت فرماتے تھے۔

(۲) تلامذہ کی کڑی نگرانی کرتے تھے، جب کسی میں احساس علم کے ساتھ کبر ونخوت کے آثار دیکھتے اس کو زائل فرمادیتے، اور یہ باور کراتے کہ وہ ہنوز دوسروں سے استفادے کا محتاج ہے۔

(۳) آپ شاگردوں کو بڑی بڑی قیمتی نصیحتیں کرتے رہتے تھے،خصوصًا ان تلامذہ کو جو اپنے وطن جانے والے ہوتے تھے یا جن کے بڑا بننے کی توقع ہوتی تھی؛ امام صاحب کی وہ نصیحتیں جو آپ نے یوسف بن خالد السمتی ،نوح بن ابی مریم اور امام ابو یوسف کے لئے لکھی ہیں وہ بہت ہی اہم اور قابل قدر ہیں۔

غرض یہ کہ امام صاحب اپنے تلامذہ کو دوستوں کی طرح رکھتے تھے، انہیں اپنی عزیز ترین متاع حیات دینے سے گریز نہ کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کا سرور اور غم وحزن کے زوال کا سبب ہو۔(ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ:۸۹)

امام صاحب کے شب وروز

امام صاحبؒ کی زندگی اور ان کے شب وروز لائق اتباع ہیں، آپ کے شب وروز کے معمولات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ خیر اور نیکی کے کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے، آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ صبح کی نماز کے بعد درس دیتے ،تمام قابل ذکر مسائل کا جواب تحریر کرتے؛ پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد کی جاتی ،جس میں بڑے بڑے نامور شاگردوں کا اجتماع ہوتا، جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے انہیں قلمبند کرلیا جاتا؛ نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے، کچھ دیر آرام کرتے؛ نماز عصر کے بعد

دوستوں سے ملتے، بیماروں کی عیادت کرتے، مرنے والوں کی تعزیت اورغریبوں کی خبرگیری کرتے؛ نمازمغرب کے بعد دوبارہ درس کا سلسلہ شروع ہوتا اورعشاء تک جاری رہتا؛ پھرنمازعشاء پڑھ کرعبادت میں مشغول ہوجاتے اوراکثر رات بھرنہیں سوتے تھے۔(اسلام کے محافظ:۳۶،ابوحنیفہ سوانح وافکار:۵۳)

امام زفررحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں بیس برس سے زیادہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجلس میں شریک رہا ہوں، میں نے کسی کولوگوں کاامام صاحب سے زیادہ خیرخواہ نہیں دیکھا، لوگوں پرنہ ان سے زیادہ کسی کوشفیق ومہربان دیکھا، وہ اپنے نفس کو اللہ تعالی کے لیے صرف کرچکے تھے؛ عام طور پر دن میں علم مسائل، ان کی تعلیم اور فتاوی کے جوابات میں مشغول رہتے، اور جب مجلس سے کھڑے ہوتے توکسی بیمار کی عیادت کرتے، کسی کے جنازے میں شریک ہوتے، کسی فقیر کی غم خواری کرتے، کسی بھائی کی صلہ رحمی اورکسی کی حاجت روائی کرتے، پوری زندگی ان کا یہی طریقہ اور معمول تھا۔(عقود الجمان:۲۰۸)

یوسف بن خالد سمتیؒ فرماتے ہیں: ہفتہ کے روز امام صاحب خانگی ضروریات کا اہتمام کرتے، نہ مجلس درس میں حاضر ہوتے، نہ بازار جاتے، چاشت سے ظہر تک بازار میں بیٹھتے، جمعہ کے روز اپنے احباب واصحاب کو اپنے یہاں بلاتے اور انہیں مختلف انواع واقسام کے کھانے کھلاتے۔(المناقب للموفق:۲/۲۰۶)

چنداامتیازات وخصوصیات

علامہ محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب **"عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان"** میں امام صاحبؒ کی

گیارہ خصوصیات بیان کی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) امام صاحبؒ کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جبکہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باحیات تھے اور یہ زمانہ قرون مشہود لہا بالخیر میں شامل ہے۔

(۲) بعض صحابہ کرام کی زیارت ورؤیت آپ کو نصیب ہوئی، جس کی بنا پر آپ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(۳) تابعین کے زمانے میں اور بڑے بڑے ائمہ کی حیات میں آپ کو اجتہاد وافتاء کی خدمت انجام دینے کا موقع ملا، جو بڑے شرف کی بات ہے۔

(۴) بڑے بڑے ائمہ حدیث وفقہ نے آپ سے روایات نقل کی ہیں، یہ بجائے خود آپ کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

(۵) کم وبیش چار ہزار اساتذہ سے آپ نے علم دین حاصل کیا۔

(۶) آپ کو ایسے بلند پایہ شاگرد ملے جو دیگر ائمہ کو نصیب نہیں ہوئے، جن میں سے ہر شاگرد اپنی جگہ آفتاب وماہتاب تھا؛ جیسے حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ وغیرہ۔

(۷) فقہ وفتاویٰ کی تدوین کا شرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کو حاصل ہوا، آپ ہی نے باب وار مسائل کو مرتب کرایا اور جزئیات ومسائل کی تخریج فرمائی؛ اس سلسلے میں پوری امت آپ کی رہین منت رہے گی، اور یہ عظیم خدمت آپ کے لیے رفع درجات کا سبب بنتی رہے گی؛ ان شاء اللہ۔

(۸) امام صاحب کا فقہی مسلک دنیا کے چپے چپے تک پھیل گیا، خاص کر برصغیر، روس، چین اور برما میں غالب اکثریت نے آپ کی پیروی کی؛ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

(۹) آپ اپنی ذاتی کمائی سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پوری فرماتے تھے اور حکومتوں کے وظائف وغیرہ کے محتاج نہ تھے۔

(۱۰) آپ اپنے دور میں ورع وتقوی اور کثرت عبادت میں ممتاز رہے۔

(۱۱) آپ کی وفات انتہائی مظلومیت کی حالت میں قید خانے میں بحالت سجدہ ہوئی؛ **رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً**۔ (عقود الجمان: ۱۸۵-۱۷۹)

(نواں باب)

سبب وفات اور شام زندگی

مشہور ہے کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام صاحبؒ کو قاضی القضاۃ بنانے کی پیش کش کی، مگر آپ نے اس سے انکار فرمادیا، خلیفہ نے پیش کش قبول نہ کرنے پر شدت کے ساتھ قید میں ڈالنے کی دھمکی دی، مگر آپ برابر انکار فرماتے رہے، جس کے نتیجے میں آپ کو بغداد میں قید کردیا گیا؛ روزانہ آپ کو کوڑے لگائے جاتے جس سے آپ لہولہان ہوجاتے۔ بالآخر آپ کو زہر دے دیا گیا، جو آپ کے دنیا سے پردہ فرماجانے کا سبب بنا۔ (الاعلام: ۸/۳۶، مقدمہ أوجز المسالک: ۱۷۷)

ابوحسان الزیادتی فرماتے ہیں: جب امام ابوحنیفہ کو موت کا احساس ہوا تو سجدے میں گر گئے اور سجدہ ہی کی حالت میں ان کی روح پرواز کرگئی؛ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات قید خانے میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۲۸۔ البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۱۷۷۔ تہذیب التہذیب: ۸/۵۱۸۔ مقدمہ أوجز المسالک: ۱۷۷۔ طبقات کبری لابن سعد: ۵/۳۱۵۔ فضائل أبي حنیفۃ: ۱۴۱۔ عقود الجمان: ۳۵۹)

یہ ظالمانہ برتاؤ کیوں؟

خلیفہ منصور کا امام صاحب کے ساتھ اختیار کیا گیا جارحانہ اور ظالمانہ رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مختلف حضرات نے مختلف باتیں کہی ہیں؛ مقدمہ اوجز المسالک میں لکھا

ہے کہ دراصل خلیفہ منصور کو امام صاحبؒ کے بعض حاسدین کی شکایت کی بنا پر یہ شبہ ہو گیا تھا کہ خانوادۂ اہل بیت کے قائد ابراہیم بن عبداللہ بن حسین بن علیؓ کی بصرہ کے علاقے میں حکومت کے خلاف بغاوت میں امام صاحب کی تائید بھی شامل ہے، اسی پر برافروختہ ہو کر خلیفہ منصور نے آپ کے ساتھ یہ ظالمانہ برتاؤ کیا۔ (مقدمہ اوجز المسالک:۱۷۷)

آخری رسوم

امام صاحب کی وفات کی خبر سے پورے بغداد میں کہرام مچ گیا، ہر طرف رنج وغم کے بادل چھا گئے؛ قاضئ بغداد حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو غسل دیا، غسل کے وقت حسن بن عمارہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے، آپ نے تیس سال تک افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا، آپ ہم سب میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ پرہیزگار تھے؛ جس وقت امام صاحب کا جنازہ اٹھا ہے تو بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ابتدا میں چار پانچ آدمی سے زیادہ نہ تھے؛ راوی کہتے ہیں کہ خراسانی دروازے کے طاقوں سے ہم گذر رہے تھے، اچانک ایسا معلوم ہوا کہ سارے شہر میں کسی نے بجلی دوڑا دی، یہ سننے کے ساتھ ہی کہ امام ابوحنیفہ کا جنازہ جا رہا ہے؛ جو جہاں تھا، جس حال میں تھا، وہیں سے پلٹا اور جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے شریک ہو گیا؛ پل کے پاس کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کے ازدحام اور بھیڑ کا یہ عالم ہوا کہ عصر کے بعد بھی بہ مشکل جنازے کی نماز سے فراغت ہوئی، مجمع کی کثرت کی وجہ سے چھ مرتبہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، پچاس ہزار سے زیادہ لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی، جو

اس زمانے کے اعتبار سے بے مثال تعداد ہے اور آپ کی مقبولیت کی کھلی دلیل ہے۔
موفق احمد مکی کہتے ہیں: **بلغ خمسين ألفا أو أكثر** (مناقب للموفق: ۲/۱۷۲) لوگوں کی تعداد پچاس ہزار یا اس سے بھی زیادہ پہونچ گئی تھی۔ امام صاحب کی وصیت کے مطابق بغداد میں ''مقبرۂ خیزران'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، آپ کے خیال میں وہ ایک ایسی جگہ تھی جو مغصوبہ نہیں تھی؛ اس طرح علم کا یہ سورج ہمیشہ کے لئے ایسا ڈوبا جس کی کرنیں تا قیامت پھوٹتی رہیں گی، اور دنیائے علم کو منور وروشن کرتی رہیں گی۔ (**البداية والنهاية:۱۰/۷۷۔ تهذيب التهذيب:۸/۵۱۷۔ مناقب أبي حنيفة للموفق:۱/۲۱۳۔ الجواهر المضيئة:۲/۵۰۲**)

تھی وہ جو شمع ہدایت آخر گل ہو ہی گئی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر فقیہ مکہ علامہ ابن جریج علیہ الرحمہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اِنَّا للہ پڑھا اور فرمایا کہ: کیسا عظیم علم رخصت ہوا۔ (تہذيب التهذيب:۸/۵۱۷)

محدث جلیل امام شعبہؒ نے اِنَّا للہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ: کوفہ سے علم کی روشنی بجھ گئی، اب کوفہ والے اس جیسی شخصیت کبھی نہ دیکھیں گے۔ (مقدمہ اعلاء السنن: ۳/۹)

علامہ علی بن صالح بن حیؒ علیہ الرحمہ نے فرمایا: عراق کا مفتی اعظم اور فقیہ وقت رخصت ہوا۔ (فضائل أبي حنيفة: ۸۱)

بشر بن عثمان مروزی کہتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بغداد تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے بتاؤ! حضرت الامام کی قبر کہاں ہے؟ چنانچہ آپ قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور فرمایا: ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے،

فقیہ العصر امام ابراہیم نخعی کی وفات ہوئی تو انہوں نے اپنا جانشیں چھوڑا، پھر حماد بن ابی سلیمانؒ نے رحلت فرمائی تو وہ بھی اپنا جانشیں چھوڑ گئے، لیکن اے ابوحنیفہ! آپ نے اس حالت میں رحلت فرمائی ہے کہ روئے زمین پر کوئی آپ کا جانشیں نہیں ہے؛ یہ کہہ کر عبداللہ بن مبارک بہت روئے۔ (کتاب الآثار)

حیات انساں ہے شمع صورت، ابھی ہے روشن ابھی فسردہ
نہ جانے کتنے چراغ یوں ہی جلا کریں گے بجھا کریں گے

حلیہ مبارک

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میانہ قد اور گندمی رنگ تھے، پرکشش وجاہت کے حامل تھے، خوش شکل اور وجیہہ تھے، گفتگو فصیح وبلیغ اور مدلل فرماتے، انتہائی ذہین وفطین تھے، عام طور پر کم گو اور کم آمیز رہتے تھے، زبان فضول گوئی سے محفوظ رکھتے، کسی بھی حالت میں متانت وسنجیدگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے، تیز آواز سے ہنسنے کے بجائے تبسم فرماتے، آپ کا لباس باوقار ہوتا تھا، لمبی ٹوپی استعمال فرماتے تھے، کپڑے خوشبو میں معطر رہتے؛ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ: آپ اپنے جوتوں کے تسمہ تک کا بھی خیال رکھتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ کے تسمے ٹوٹے ہوئے شکستہ دیکھے گئے ہوں۔ (الخیرات الحسان: ۶۱۔ مقدمہ أوجز المسالک: ۱۷۶۔ الاعلام: ۸/۳۶۔ فضائل أبي حنیفة: ۴۸)

مزار اقدس

امام صاحب بغداد میں ''مقبرہ خیزران'' میں محوخواب ہیں، آپ کا مزار اقدس

آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے؛ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے سنہ ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر ایک قبہ اور اس کے قریب ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، غالباً یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا، مدرسہ نظامیہ بھی اسی سال قائم ہوا تھا لیکن اس کے بعد تعمیر کیا گیا؛ جب اسماعیل پاشا بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبے اور مدرسے کو مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ پر کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا؛ لیکن اللہ تعالی نے ان شریروں سے بغداد کو بہت جلد پاک وصاف فرمایا۔ سنہ ۹۷۴ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے از سر نو مزار کی مرمت کرائی اور قبے وغیرہ کی تعمیر کرائی۔ (مستفاد: امام اعظم ابوحنیفہ: ۱۱۷)

اولاد

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کی وفات کے وقت ایک فرزند حضرت حماد موجود تھے، جو بڑے ذی رتبہ عالم وفاضل تھے؛ جب ان کی سورۂ فاتحہ ختم ہوئی تھی تو امام صاحب نے بڑا اہتمام کیا تھا، اور معلم کو پانچ سو درہم بطور نذرانہ عنایت فرمائے تھے؛ آپ کے صاحبزادے حضرت حماد علم وفضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیز گاری میں بھی آپ کے خلف الرشید تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں حضرت حماد کے علاوہ آپ کی کسی دیگر اولاد کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

(دسواں باب)

امام ابوحنیفہؒ کے چند اہم ملفوظات

(۱) فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آجائے تو سر آنکھوں پر، اور اگر کسی مسئلے میں صحابہ کے اقوال ہوں تو ہم انہیں میں سے کسی کا قول لیں گے اور ان سے خروج نہیں کریں گے؛ البتہ اگر تابعین (امام صاحب کے ہم عصر علماء) کے اقوال ہوں تو ان کے مقابلے میں ہم اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

(۲) فرمایا: کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماع صحابہ کے خلاف اپنی رائے پیش کرے، ہاں جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہے تو ہم صحابہ کے اقوال میں سے وہ قول اختیار کرتے ہیں جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے قریب ترین ہو، اور یہی اجتہاد کا محل ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۳) فرمایا: اگر دین میں تنگی ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی فتوی نہ دیتا، جن چیزوں کی بدولت جہنم میں جانے کا خوف ہو سکتا ہے ان میں سب سے خوف ناک چیز فتوی ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۴) فرمایا: جب سے سمجھ آئی ہے میں نے کبھی اللہ پر جرأت نہیں کی، (یعنی کوئی مسئلہ خود سے بتا کر کتاب وسنت کی طرف منسوب نہیں کیا)۔ (الخیرات الحسان)

(۵) اگر امام صاحب کے سامنے کوئی شخص دوسروں کی باتیں نقل کرتا تو اس کو روک دیتے اور فرماتے: لوگوں کی ناپسندیدہ باتیں نقل کرنا چھوڑ دو، جس نے ہمارے بارے میں غلط بات کہی، اللہ اسے معاف کرے؛ اور جس نے ہمارے بارے میں

اچھی بات کہی، اللہ اس پر رحم کرے؛ (لوگوں کی باتیں نقل کرنے کے بجائے) دین میں تفقہ حاصل کرو، لوگوں کی باتیں چھوڑ دو، وہ جانیں ان کا کام جانیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارا محتاج بنا دے۔ (الخیرات الحسان)

(۶) ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے بارے میں بہت باتیں کرتے ہیں، مگر آپ کسی کا ذکر نہیں کرتے؛ فرمایا: **هو فضل اللّٰه یو تیه من یشاء**، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ (الخیرات الحسان)

(۷) آپ کی تجارت بہت وسیع تھی؛ منافع کا ایک حصہ علماء اور مشائخ ومحدثین کی خدمت میں پیش کرتے اور فرماتے: آپ اسے اپنی ضروریات میں خرچ فرمائیں، اور صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں، کیوں کہ میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا بلکہ یہ اللہ کا مال اور اس کا فضل ہے، جسے اس نے میرے ہاتھ سے جاری فرمایا ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۸) فرماتے تھے کہ: میں نے کبھی کسی کی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا اور میں نے کبھی کسی پر لعنت نہیں کی، اور میں نے کسی مسلمان یا ذمی کافر پر کبھی ظلم نہیں کیا اور میں نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور نہ کبھی خیانت کی۔ (الخیرات الحسان)

(۹) فرمایا: جو وقت سے پہلے بڑا بننے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۱۰) فرمایا: اگر علماء اولیاء اللہ نہیں ہیں، تو پھر دنیا وآخرت میں کوئی ولی اللہ نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۱۱) فرماتے تھے کہ: جس شخص کو اس کا علم حرام چیزوں سے نہ روکے تو وہ خسارے میں ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۱۲) ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ تفقہ حاصل کرنے کے لیے کونسی چیز مددگار ہے؟ فرمایا: یکسوئی اختیار کرنا؛ اس نے پوچھا کہ یکسوئی کیسے حاصل ہوگی؟ فرمایا: دنیوی مصروفیات کم کرنے سے؛ اس نے پوچھا کہ وہ کیسے کم ہوں گی؟ فرمایا: جس چیز کی جتنی ضرورت ہو اس سے زیادہ نہ لو۔ (الخیرات الحسان)

(۱۳) ایک مرتبہ ایک شخص کسی کی سفارش لے کر آیا کہ آپ مجھے علم سکھا دیں؟ آپ نے فرمایا: اس طرح علم حاصل نہیں کیا جاتا، اللہ تعالی نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے علم بیان کریں اور اسے نہ چھپائیں؛ پھر فرمایا کہ عالم تو محض اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے علم سکھاتا ہے، اس کے خصوصی راز دار نہیں ہوتے۔ (الخیرات الحسان)

(۱۴) ایک مرتبہ ایک صاحب سے فرمایا کہ: میں جب چل رہا ہوں یا لوگوں سے بات کررہا ہوں یا سو رہا ہوں یا آرام کررہا ہوں تو ان اوقات میں مجھ سے دین کی بات نہ پوچھا کرو؛ کیوں کہ ان اوقات میں آدمی کے خیالات مجتمع نہیں ہوتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

(۱۵) ایک شخص نے آپ سے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور جنگ صفین کے بارے میں معلوم کیا؟ آپ نے فرمایا: جب اللہ مجھے اپنے سامنے کھڑا کرے گا تو ان کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں فرمائے گا، ہاں جن چیزوں کا مجھے مکلف بنایا گیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے سوال ہوگا؛ لہٰذا میں انہی چیزوں میں مشغول رہنا پسند کرتا ہوں (جن کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے سوال ہوگا)۔ (الخیرات الحسان)

(۱۶) فرمایا: مجھے ان لوگوں پر بہت حیرانی ہوتی ہے جو دین کے بارے میں

محض انداز سے بات کرتے ہیں۔(الخیرات الحسان)

(۱۷)فرمایا: جو شخص دنیا کے لیے علم سیکھتا ہے وہ علم کی برکت سے محروم رہتا ہے، اسے علم کا رسوخ حاصل نہیں ہوتا، نہ مخلوق خدا کو اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہے؛ اور جو شخص علم، دین کے لیے سیکھتا ہے اسے علم کی برکات نصیب ہوتی ہیں، اسے علم میں رسوخ کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے اور طالبان علوم نبوت اس کے علم سے خوب نفع اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔(الخیرات الحسان)

(۱۸) ایک مرتبہ آپ نے ابراہیم بن ادھم سے فرمایا: اے ابراہیم! آپ کو عبادت کا بڑا نیک حصہ نصیب ہوا ہے، آپ علم کی طرف بھی توجہ رکھیے، کیوں کہ علم دین عبادت کی بنیاد ہے اور اسی سے دینی اور دنیوی امور درست ہوتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

(۱۹) فرمایا: جو احادیث پڑھے مگر انہیں سمجھے نہیں، وہ اس شخص کی طرح ہے جو دواؤں کو اپنے پاس جمع کرلے مگر ان کے آثار وخواص (اور طریق استعمال) سے پوری طرح واقف نہ ہو۔(الخیرات الحسان)

(۲۰) خلیفہ منصور نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ: آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ فرمایا: مجھے اپنی کسی چیز پر آپ کا ڈر نہیں، اگر آپ مجھے اپنے قریب کریں گے تو فتنے میں مبتلا ہوں گا، پھر دور کریں گے تو رسوائی مقدر ہوگی۔(الخیرات الحسان)

(۲۱) ایسی ہی ایک بات کوفہ کے گورنر نے کہی، تو آپ نے فرمایا: روٹی کا ٹکڑا، پانی کا گلاس اور پوستین کا لباس اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد (دنیا وآخرت میں) شرمندگی ہو۔(الخیرات الحسان)

(۲۲) فرمایا: جو آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتا ہو اس کے لیے دنیا کی تکلیف

کچھ نہیں، اور جو اپنے نفس کی عزت کرتا ہو (یعنی دنیا وآخرت کی رسوائی سے بچنا چاہتا ہو) تو دنیا اس کے سامنے ذلیل ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۲۳) فرمایا: اپنے لیے گناہوں کا انبار اور اپنے وارثوں کے لیے مال ودولت جمع مت کرو۔ (الخیرات الحسان)

(۲۴) ایک مرتبہ اپنے حاسدین کے متعلق فرمایا: اگر لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو میں ان پر کوئی ملامت نہیں کرتا، کیوں کہ مجھ سے پہلے جو لوگ اہل کمال تھے ان پر بھی حسد کیا گیا، جو میرے پاس ہے وہ میرے پاس رہے اور جو ان کے پاس ہے ان کے پاس رہے، اور ہم میں سے جو زیادہ غصہ ہوگا، وہی اپنے غصے میں جلے گا۔ (الخیرات الحسان)

(۲۵) ایک صاحب نے ایک مرتبہ پوچھا کہ: اعراض اور اجسام کے بارے میں جو اقوال بیان کیے جارہے ہیں ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا: یہ سب فلسفیوں کی باتیں ہیں۔ (انہیں چھوڑ دو) اور سلف صالحین کے طریقے پر نصوص وآثار کو اختیار کرو، اور اس طرح کی نئی باتوں سے بچو! یہ بدعت ہیں۔ (عقود الجمان)

(۲۶) حضرت فضیل بن دکین فرماتے ہیں: میں نے امام صاحب کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مجھ سے بغض رکھے، اللہ اسے مفتی بنادے؛ (شاید مطلب یہ ہو کہ اگر وہ مفتی برحق ہوگا تو اسے ہدایت نصیب ہوگی، اور توبہ کی توفیق ہوجائے گی، اور اگر اس کے برعکس ہوگا تو اس کا انجام سب کو معلوم ہے؛ یا یہ کہ مفتی بننے کے بعد اس کو سمجھ آجائے گی کہ یہ کتنی دشوار گزار گھاٹی ہے!)۔ (عقود الجمان)

(۲۷) فرمایا: میں نے اپنے استاذ حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کی عظمت کی وجہ سے کبھی ان کے گھر کی طرف پاؤں بھی نہیں پھیلائے، حالانکہ میرے اور ان کے گھر

کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ تھا۔(عقود الجمان)

(۲۸) فرمایا: جس نے علم کو اپنے گلے کا ہار بنایا اور علم کی بات بیان کی، مگر اسے اس کا احساس نہیں کہ میں اللہ کے دین میں جو فتوی دے رہا ہوں اللہ تعالی اس کے بارے میں مجھ سے سوال فرمائیں گے، تو اس کی جان اور اس کا دین خطرے میں ہے۔(عقود الجمان)

(۲۹) فرمایا: جس کی صحبت بھاری ہو، یعنی اس کے پاس بیٹھنے سے دل گھبراتا ہو، وہ نہ فقہ کو سمجھتا ہے اور نہ فقہاء کو۔(عقود الجمان)

(۳۰) فرمایا: میں نے گناہوں میں ذلت محسوس کی تو انہیں شرافت کے خیال سے چھوڑ دیا، پھر یہی شرافت دینداری (تقوی) میں بدل گئی۔(عقود الجمان)

(۳۱) سہل بن مزاحم فرماتے ہیں: میں نے سنا، ایک مرتبہ امام صاحب اپنے اصحاب سے فرما رہے تھے کہ اگر اس علم سے تمہارا مقصود خیر یعنی دین نہیں، تو تمہیں توفیق نصیب نہیں ہوگی۔(عقود الجمان)

(۳۲) فرمایا: تمام طاعات میں سب سے عظیم طاعت ایمان ہے، اور تمام گناہوں میں بدترین گناہ کفر ہے، جو ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرتا رہا اور بدترین گناہ سے بچتا رہا تو باقی گناہوں کی مغفرت کی امید ہے۔(عقود الجمان)

(۳۳) فرمایا: جو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتا ہو تو اسے دنیا کی تکلیفوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے، اور فرمایا کہ جسے اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اس پر دنیا اور دنیا کی مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔(عقود الجمان)

(۳۴) فرمایا: فقہ (دین کی صحیح سمجھ کی بات) اس شخص کے سامنے مت بیان کرو جو اسے سننا نہ چاہتا ہو، اور جو شخص تمہاری بات درمیان میں کاٹ دے اسے خاطر میں

نہ لاؤ، کیوں کہ اسے علم وادب میں تم سے محبت نہیں ہے۔ (عقود الجمان)

(۳۵) امام ابوحنیفہؒ خلفائے راشدین کو خلافت راشدہ کی ترتیب کے مطابق تمام صحابہ کرام میں افضل قرار دیتے تھے، اور صحابہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ کسی صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لمحہ گذار لینا ہماری ساری عمر کے اعمال سے افضل ہے۔ (مناقب أبي حنيفة للموفق)

(۳۶) فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اساتذہ میں حضرت حماد سے بڑھ کر فقیہ اور عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر جامع العلوم کسی کو نہیں پایا۔ (مناقب للموفق: ۷۹)

(۳۷) ایک مرتبہ ایک سائل کے جواب میں فرمایا: عمل علم کے تابع ہے، جیسا کہ اعضا آنکھ کے تابع ہوتے ہیں، تھوڑے عمل کے ساتھ علم مفید ہے بہ نسبت اس کے کہ زیادہ عمل جہالت کے ساتھ کیا جائے؛ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے تھوڑا توشہ ہو مگر صحرا میں راستہ معلوم ہو، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ توشہ زیادہ ہو مگر صحرا سے نکلنے کا راستہ معلوم نہ ہو؛ اسی لئے حق تعالی کا ارشاد ہے: **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْن، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوْا الْاَلْبَابِ** (سورہ زمر: ۹۰) آپ کہہ دیجیے! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ بیشک عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (مناقب للموفق)

(۳۸) فرماتے تھے کہ: میں پچاس سال سے ہر نماز کے بعد توبہ واستغفار کرتا ہوں، بطور خاص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے، کہ اس میں کوتاہی ہوئی ہوگی۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق)

(۳۹) عبد العزیز ابومسلم کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے راستے میں چلتے ہوئے امام صاحب سے قیس بن مسلم کی حدیث کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا: سبحان اللہ،

علم کے لالچ نے حسن ادب سے محروم کردیا،علم کی ہیبت اورعظمت ہوتی ہے،صاحب علم کے لیے وقار اورسکینت لازمی ہے، ہاں جوعلم حاصل کرنا چاہے اس کے سامنے جھک جانا چاہیے؛کل ہمارے پاس آنا۔(مناقب للموفق)

(۴۰) مکی بن ابراہیم کہتے ہیں: میں تجارت میں مشغول تھا، ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے مکی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تجارت میں تمہاری خاص مشغولیت ہے، اگرعلم دین کے بغیر تجارت ہوگی تو بہت خرابی پیدا ہوگی، تم علم دین کیوں نہیں سیکھتے؟ مکی کہتے ہیں کہ: امام صاحب مسلسل مجھ پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک اللہ تعالی نے مجھے اس میں لگنے کی توفیق دی اور اس کا ایک حصہ مجھے عطا فرمایا؛ اب میں ہرنماز کے بعد امام صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جن کی برکت سے اللہ نے میرے لیےعلم کا دروازہ کھولا۔(مناقب للموفق)

(۴۱)امام صاحب کی ایک بڑی وسیع تجارت تھی،جس کے ذریعہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ حکام اورامیروں کے مالی احسان سے بچا جاسکے،آپ یہ دوشعر بہت پڑھتے تھے:

عطاء ذي العرش خير من عطائكم وسيبه واسع يرجي وينتظر

انتم يكدر ما تعطون منُّكم واللّٰه يعطي بلا مَنٍّ ولا كرم

ترجمہ:عرش والے کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے،اس کا کرم وسیع ہے،اسی کی امید اوراسی کا انتظار ہوتا ہے؛تم لوگ جو کچھ دیتے ہو احسان جتا کر اسے مکدر کردیتے ہو اور اللہ تعالی دیتا ہے تو نہ احسان جتاتا اور نہ دل مکدر کرتا ہے۔(مناقب للموفق)

(۴۲) فرماتے تھے: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مجھے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا،تو میں اپنے پاس ایک درہم بھی جمع نہ ہونے دیتا۔(مناقب للموفق)

امام ابوحنیفہ کی وصیتیں

امام ابوحنیفہؒ نے آخری وقت میں امام ابو یوسفؒ کو بڑی قیمتی وصیتیں فرمائی تھیں؛ علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الاشباہ والنظائر" میں اس وصیت نامے کو ذکر کیا ہے؛ علامہ شبلیؒ نے بھی اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں اس وصیت نامے کو لکھا ہے، لیکن وہ وصیت نامہ مکمل نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

اے یعقوب! (امام ابو یوسفؒ) بادشاہ کی عزت کر اور اس کو بڑا سمجھ، اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور بے وقت اس کے پاس آنے جانے سے گریز کر، ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ کثرت آمد ورفت سے وہ تجھ سے بے پرواہی برتے گا، اور تجھے حقیر سمجھے گا، تو اس سے اس طرح منتفع ہو جس طرح آگ سے (بقدر ضرورت انتفاع کیا جاتا ہے) کیوں کہ بادشاہ جیسا اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا؛ اور بادشاہ کے سامنے کثرتِ کلام سے بھی گریز کرنا، کیوں کہ وہ اس پر گرفت کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے تئیں اپنے کو اعلم، تجھے خطاکار اور کم درجہ ثابت کر دے گا؛ جس وقت بادشاہ کے پاس جائے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبے میں امتیاز کرنے والا ہو؛ ایسے وقت میں داخل مت ہونا کہ اس کے پاس ایسے اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے ناآشنا ہیں، اگر وہ تجھ سے کم درجہ ہیں تو اپنے آپ کو بڑے درجے کا ثابت کریں گے اور تجھے نقصان پہونچائیں گے، اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کریں گے۔

جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے

تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کرنا، کہ علم اور حکم میں وہ تیرے مذہب اور فیصلے کو پسند کرے، ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑے گا؛ بادشاہ کے احباب اور خدام سے دوستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں وقت ضرورت ان سے ملاقات میں کچھ حرج نہیں ہے؛ لیکن خداموں سے دوری ہی بہتر ہے، اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا۔

عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اتنا ہی جتنا وہ تم سے دریافت کریں؛ کیوں کہ زیادہ کلام سے وہ یہ محسوس کریں گے کہ کہیں تم ان کے اموال کی طرف تو راغب نہیں ہو؟ اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے ہو؟ عوام کے سامنے زیادہ ہنسنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، بازاروں میں بھی زیادہ نہیں جانا چاہیے؛ اور امرد لڑکوں سے بھی بات نہ کرو، کیوں کہ وہ فتنہ ہوتے ہیں؛ ہاں بچوں سے بات کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مشائخ اور عوام کے ساتھ سڑکوں پر بھی نہ چلو، کیوں کہ اگر تم ان سے آگے چلے تو ان کی تحقیر اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی، کیوں کہ وہ تم سے عمر میں بڑے ہیں، اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا** (رواہ الترمذی) جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

دیکھو! شاہراہ پر ہرگز مت بیٹھنا، ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجدوں میں بیٹھو؛ بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، مشکیزے سے سقوں کے ہاتھ سے پانی مت پینا (کیوں کہ معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو، یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو)

دیکھو! دوکان پر نہ بیٹھو، اور زیورات اور ریشمین کپڑا نہ پہنو، کیوں کہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

وقت فراش اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو، ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں، اس سے زیادہ بوس و کنار بھی نہ کرو، ہاں اس سے صحبت کرو تو اللہ کا نام لے کر کرو؛ اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو، کیوں کہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کر دے گی؛ بیوہ اور ماں باپ، بال بچے والی عورت سے نکاح مت کرو، مگر اس کے ساتھ کہ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر جا سکیں، کیوں کہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دیدے گی؛ اور حتی الامکان اپنی سسرال میں بھی نہ رہو، خبر دار! اپنی سسرال میں اپنی بیوی سے ہرگز صحبت نہ کرنا، کیونکہ تم اس صورت میں پسیج جاؤ گے، اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تمہارا مال مفت میں اڑائیں گے؛ خبر دار! اولاد والی عورت سے شادی نہ کرنا، کیوں کہ وہ تمہارا سب مال ان کو کاٹ کاٹ کر دیدے گی؛ کیوں کہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی۔

ایک گھر میں دو سوکنوں کو بھی مت رکھنا؛ اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک اس قابل نہ ہو جاؤ کہ بیوی بچوں کی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکو؛ پہلے علم طلب کرو، پھر حلال طریقے سے مال جمع کرو، پھر شادی کرو؛ اس لیے کہ اگر تحصیل علم کے وقت تم نے مال جمع کرنا شروع کر دیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے، اور تمہارا وقت ضائع ہوگا، اور علم سے کورے رہ جاؤ گے؛ عنفوانِ شباب میں فارغ القلب ہو کر علم حاصل کرو۔

تقوی، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کو نصیحت کرنا اپنے اوپر لازم کرلو، کسی

انسان کوذلیل اوراپنے کو باعزت نہ سمجھو،عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو،البتہ بقدرتعلیم وتعلم کچھ حرج نہیں، اس لئے کہ اگر کوئی ان میں سے اہل ہے توتحصیل علم میں لگ جائے گا، ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا؛ عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ جب کبھی تم سے کوئی فتوی دریافت کرے توسوال کے بقدر جواب دو،ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا؛ اگرتم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست ہوتوعلم سے اعراض ہرگز نہ کرو، کیوں کہ اس صورت میں تمہاری زندگی ضائع ہوجائے گی؛ جوطلباء تم سے فقہ حاصل کریں ان سے اولاد کی طرح برتاؤ کرنا، کیوں کہ اس سے ان کی علم میں رغبت زیادہ ہوگی؛ عوام اور بازاری لوگوں سے ہرگز جھگڑا نہ کرو، اس سے تمہاری عزت ریزی ہوگی؛ حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو؛ جب تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا، اس لئے کہ عوام تمہیں زیادہ عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ تمہیں اپنے علم سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا انہیں اپنے جہل سے ہوگیا۔

جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لیے مخصوص نہ کرلینا، کہ تم ہی تنہا اس میں صاحب اقتدار رہو، بلکہ اوراہل علم کی طرح رہو؛ تاکہ وہ خیال کریں کہ تم کو ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے، ورنہ وہ سب مل کر تمہیں نکالنے کی کوشش کریں گے، اورتمہارے مسلک میں طعن کرنا شروع کردیں گے اورتم بلاوجہ مطعون ہوکر رہ جاؤ گے؛ اگر وہ تم سے کچھ معلوم کریں تو جواب بلا دلیل بیان نہ کرو، ان کے اساتذہ میں بھی عیب نہ نکالو؛ عوام سے پرہیز اور اللہ تعالی سے ظاہراً وباطنا یکساں معاملہ رکھو، کیوں کہ ایسا کرنے سے تمہارے اندرقابلیت علم پیدا ہوگی۔

بادشاہ جب کوئی کام تمہارے سپرد کرے تو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرو جب

تک اس کی قابلیت تمہارے اندر نہ ہو؛ جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو کلام نہ کرو، کیوں کہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور زبان بوجھل ہو جائے گی؛ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو، کیوں کہ اس سے دل مرجاتا ہے؛ راستے میں وقار اور طمانینت سے چلو، امور میں جلد بازی نہ کرو، جو تمہیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو، کیوں کہ چوپایوں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے؛ جب کلام کرو تو چیخ کر اور بلند آواز سے نہ کرو، اور نہ زیادہ حرکت کرو؛ (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے)۔

لوگوں کے درمیان کثرت سے اللہ کا ذکر کرو، نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا کرو، خصوصاً تلاوت قرآن؛ ہر حال میں اللہ تعالی کو یاد رکھو اور اس کا شکر ادا کرو، کہ اس نے تمہیں صبر و شکر اور دوسری نعمتیں عنایت فرمائی ہیں۔

ہر مہینہ چند دن روزے بھی رکھا کرو، تا کہ لوگ تمہاری اتباع کریں؛ نفس سے محاسبہ کرتے رہو، دوسروں کی حفاظت کرو، تا کہ وہ تمہاری دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہو سکیں، ورنہ اللہ تعالی کے یہاں تم سے سوال ہو جائے گا؛ اپنے آپ کو سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو، کیوں کہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمہارے پاس ڈھیر لگا دیں گے، اگر تم ان کو پورا کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری توقیر ہوگی، اور اگر پوری نہ کر سکے تو لوگ تمہارا تمسخر کریں گے۔

خطا اور غلطی میں لوگوں کی اتباع مت کرو، بلکہ صواب میں کرو؛ جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شریر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو، خیر کا تذکرہ کرو، ہاں دین کے معاملے میں لوگوں کو خبردار کرو، تا کہ لوگ اس سے بچنے لگیں اور اس کی اتباع نہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: **اذكر الفاجر بما فيه حتى يحذره الناس وإن كان ذا جاه ومنزلة۔** فاجر شخص میں جو عادتیں ہوں ان کو

ظاہر کر دو تا کہ لوگ اس سے پرہیز کریں، اگر چہ وہ آدمی صاحب اقتدار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالی تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے، اگر ایک مرتبہ ایسا کر دیا تو فجار تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی بھی اظہار بدعت پر دلیری نہ کر سکے گا؛ جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف کوئی امر دیکھو تو اس کی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کر دو، کیوں کہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے، یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں، ہم آپ کے تابع ہیں، لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں کہ جو علم دین کے موافق معلوم نہیں ہوتی ہے؛ پس اگر ایک مرتبہ بھی کہہ دیا ہے تو کافی ہے، ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے وہ تم پر غصہ ہو جائے گا، جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک دو گے تو امر بالمعروف میں وہ تم کو حریص سمجھے گا، اس سے زیادہ اگر روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں اس کے پاس جا کر نصیحت کرو؛ اگر اس کی طبیعت کا رجحان بدعت کی طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو، اور کتاب وسنت سے متعلق تمہارے پاس جو علم ہے اس پر پیش کر دو، اگر وہ تم سے قبول حق کر لے تو فبہا، اور اگر انکار کر دے تو اللہ تعالی سے دعا کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

موت کو یاد رکھو! اپنے استاذ کے لیے استغفار کرتے رہو، تلاوتِ قرآن پر مداومت کرو؛ مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہا کرو؛ عوام الناس میں سے جو رؤیائے صالحہ دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں اس کو رد نہ کرو؛ فساق وفجار کے پاس نہ بیٹھو، ہاں تبلیغ دین کے لیے مضائقہ نہیں ہے؛ کھیل کود اور گالی گلوچ سے پرہیز کرو؛ جب مؤذن اذان دے تو مسجد کے لیے تیاری کرو، تا کہ عوام تم سے اس معاملے میں سبقت نہ لے جائیں؛ بادشاہ کے پڑوس میں مکان نہ بنانا، پڑوسی کی عیب پوشی کرنا، لوگوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ کرنا، جو تم سے مشورہ طلب

کرے تو اپنے علم کے مطابق مشورہ دینا۔ میری وصیت قبول کرو، اس کے ذریعے سے موجودہ اور آنے والوں کو فائدہ پہونچے گا۔ ان شاء اللہ تعالی۔

فرمایا: بخل سے پرہیز کرو، آدمی اس کی وجہ سے مبغوض ہوجاتا ہے، جھوٹے اور لالچی نہ بنو، بلکہ اپنی مروتوں کا تمام امور میں خیال رکھو؛ سفید لباس پہنو؛ اپنے کو حریص نہ ہونے کے لیے اپنے آپ کو ہر وقت غنی ظاہر کرو، اگر چہ تم فقیر ہی کیوں نہ ہو؛ صاحب ہمت بنو، اس لیے کہ ہمت کے بغیر آدمی کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے؛ جب راستے میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو، بلکہ نظر کو زمین پر جھکائے رکھو؛ جب مزدوروں سے کوئی کام کراؤ تو اجرت میں اور لوگوں کی مساوات نہ کرو، بلکہ دستور سے کچھ زیادہ دو، تا کہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں؛ کوئی چیز پیشہ ور اور دستکار کے سپرد نہ کرو، بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں اعتماد ہو؛ غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو، درہم ودنانیز کو نہ تولو، روپیہ پیسے کو شمار نہ کرو، بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو؛ دنیا کی اہل علم کے لیے تحقیر کرو، اس لیے کہ اللہ تعالی کے پاس جو کچھ ہے، بہتر ہے؛ اپنے امور میں دوسروں کو شریک کرو، تا کہ علم حاصل کرنے کے لیے کچھ وقت بچ جائے۔

خبردار! بیوقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور اہل علم کے دلائل کو نہ سمجھیں، طلب جاہ کے لیے کوشاں ہوں اور تمہیں شرمندہ کرنے کے لیے مسائل یاد کریں، ان سے ہرگز بات مت کرو؛ اس لیے کہ اگر وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کریں گے۔ جب رؤسا کے پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو، جب تک وہ تم کو اس جگہ نہ بٹھائیں؛ جب کسی قبیلے میں پہونچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ بنائیں، نماز نہ پڑھانا؛ ہاں جب یہ یقین ہو کہ تمہاری بات سن لی جائے گی، تب کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خبردار! علم کی مجلس میں غضبناک مت ہونا، عوام میں قصہ گوئی نہ کرنا، اس لیے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا؛ جب کسی اہل علم کے اعزاز میں کوئی مجلس علم منعقد کرو تو اس کے استقبال کے لیے بہ نفس نفیس خود حاضر ہونا، اور جو کچھ معلوم ہو بیان کرنا، ورنہ نہیں، تا کہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے لوگ دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم تصور کریں، حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوگا جس کے تم مالک ہو؛ کسی آدمی کو مسند درس پر نہ بٹھاؤ تا کہ وہ تمہارے سامنے درس دے، بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو، تا کہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں؛ مجلس وعظ اور اس مجلس میں جسے تیرے اعزاز یا تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لیے منعقد کیا گیا ہو، مت جانا؛ (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لیے اور اظہار مشیخت کے لیے ایسا کر رہا ہے، اس سے فائدہ نہیں ہوگا)۔ نکاح کے معاملات اپنے محلے کے نکاح خواں، اسی طرح عید اور جنازے کی نماز اس کے مستحق کے لیے چھوڑ دو؛ (کہ وہی نکاح اور نماز پڑھائیں)۔ جو آدمی تمہارے لیے دعا کرے اس کو کبھی فراموش مت کرنا۔

میری اس نصیحت کو قبول کرو، جو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت اور فائدے کے لیے لکھی ہے۔ (الاشباہ والنظائر۔ مناقب النعمان)

دیگر زرّیں نصیحتیں

(۱)......جس وقت اذان کی آواز آئے، فوراً نماز کے لیے تیار ہو جاؤ۔

(۲)......روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو۔

(۳)......کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو۔

(۴)......لہو ولعب سے پرہیز کیا کرو۔

(۵)...... پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔

(۶)......تقوی اور امانت کو فراموش مت کرو۔

(۷)......جس خدمت کو انجام دینے کی قابلیت نہ ہو، اسے ہرگز مت قبول کرو۔

(۸)......اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو، تو اس کی غلطی کا اعلانیہ اظہار کرو، تا کہ عوام کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے۔

(۹)......تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو۔

(۱۰)......جو آدمی کچھ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو، اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو۔

(۱۱)......شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو کہ دیکھنے والے انہیں تمہاری اولاد خیال کریں۔

(۱۲)...... جو بات بھی کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو، اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو۔ (مقدمہ مسند امام اعظم)

حوالہ جات مع اسمائے مصنفین وناشرین

نام کتاب	مصنف	ناشر
مقدمہ اوجز المسالک	شیخ محمد زکریا کاندھلوی	دار القلم دمشق
مقدمہ اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن والعلوم کراچی
فضائل ابوحنیفہ	ابن ابی عوام	مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ
الاعلام	خیر الدین زرکلی	دار العلم للملایین بیروت
البدایہ والنہایہ	ابوالفداء ابن کثیر دمشقی	دار احیاء التراث العربی
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی	دار الفکر بیروت
الخیرات الحسان	حافظ ابن حجر مکی	مطبع السعادۃ مصر
عقود الجمان	محمد بن یوسف صالحی	دار البشائر الاسلامیہ
مقدمہ تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمن بن محمد بن محمد	دار الفکر بیروت
مقدمہ رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامیؒ	مکتبہ زکریا دیوبند
شرح عقود رسم المفتی	علامہ ابن عابدین شامیؒ	مکتبہ زکریا دیوبند
تذکرۃ الحفاظ	علامہ شمس الدین ذہبی	دار الکتب العلمیہ بیروت

مرقاۃ المفاتیح	ملاعلی قاری	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
طبقات کبری لابن سعد	محمد بن سعد	دارالفکر بیروت
شرح فقہ اکبر	ملاعلی قاری	دارالایمان سہارن پور
اخبار ابی حنیفہ واصحابہ	قاضی حسین بن علی صمیری	دارالکتب العلمیہ بیروت
بستان المحدثین اردو	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ
حدیث اور فہم حدیث	مولانا عبداللہ معروفی	مکتبہ عثمانیہ دیوبند یوپی
مقدمہ کتاب النوازل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	مرکز علمی لال باغ مرادآباد
مقدمہ فتاوی دارالعلوم	مفتی ظفیر الدین صاحب	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
الجواہر المضیئۃ	عبدالقادر بن محمد بن نصراللہ	میر محمد کتب خانہ کراچی
اعلام الموقعین	ابوعبدمحمد بن ابی بکر ابن القیم	دارالکتب العربی بیروت
امام ابوحنیفہ، سوانح وافکار	مفتی امانت علی قاسمی	ایجوکیشن ہاؤس دہلی
سیدنا امام اعظم	شاہ تراب الحق قادری	زاویہ پبلیشر لاہور
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویری	مکتبہ الاسکندریہ
الانتقاء فی فضائل الثلاثہ	ابن عبدالبر	دارالکتب العلمیہ بیروت
مناقب الامام الاعظم	موفق بن احمد بن محمد مکی	مؤسسۃ النشر الاسلامی
مناقب النعمان	مولانا محمد فاروق میرٹھی	مکتبہ محمودیہ میرٹھ

تبییض الصحیفۃ	امام جلال الدین سیوطی	دارالکتب العلمیہ بیروت
مسند الامام ابی حنیفہ	ابونعیم احمد اصبہانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
الفوائد البہیۃ	علامہ عبدالحئ لکھنوی	مطبع السعادۃ بجوار محافظۃ مصر
العبر فی خبر من غبر	مؤرخ اسلام حافظ ذہبی	دارالکتب العلمیہ بیروت
تاریخ بغداد	ابوبکر احمد خطیب بغدادی	دارالکتب العلمیہ بیروت
مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ	مفتی شبیر احمد قاسمی	مکتبہ زکریا دیوبند الہند

الحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات و الصلوۃ و السلام علی رسولہ فخر الموجودات، اللھم اغفر لی و لوالدی و لأساتذتی و لجمیع المؤمنین و المؤمنات، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم۔